حالم (نمرہ احمد)

اکیسواں باب:

"اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔"

اتوار کی شام تھی۔

بائیس جنوری کی تاریخ تھی۔

اکیسویں صدی کی جونکر اسٹریٹ سامنے تھی۔

اور یہ ملائیشیا کا شہر ملاکہ تھا۔

اس نے اپنے سامنے پھیلی جونکر اسٹریٹ پہ چلتے لوگوں کو دیکھا تو یاد آیا کہ جمعہ' ہفتہ اور اتوار وہ دن تھے جب اس اسٹریٹ کو پیدل چلنے والوں کی گزرگاہ بنایا جاتا تھا۔ سڑک کے کنارے اسٹالز اور ریڑھی لگ جاتے تھے۔ اور لوگ خریداری کرتے ہوئے کھاتے پیتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔

قدیم ملاکہ میں ایک ماہ گزارنے کے باعث اسے اس شور ہنگامے اور رونق کی عادت نہیں رہی تھی۔ ہر شے مختلف تھی۔ صرف تاریخ اور دن وہی تھا۔ اتوار' بائیس جنوری کو وہ تینوں وقت میں پیچھے گئے تھے۔ پھر اسی تاریخ اور اسی دن میں اس کی "واپسی" ہوئی تھی۔ مگر یہ واپسی ویسی نہیں تھی جیسی اس نے چاہی تھی۔ یہ واپسی بہت سفاک تھی اور اس کا دل توڑ گئی تھی۔ چند گھنٹے پہلے پیش آنے والے حالات کا صدمہ ابھی تک اس کے حواسوں پہ طاری تھا۔ اتنے شور میں تنہا بنچ پہ بیٹھے اسے معلوم تھا کہ اب زندگی کبھی ویسی نہیں رہے گی۔ وقت نے اسے.... بلکہ ان تینوں کو بہت سخت سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟ ساری محنت یہاں واپس آنے کے لیے کی تھی۔ اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟

اس نے آنکھیں بند کیں تو پل بھر کے لیے ساری دنیا اندھیر ہو گئی۔ دھیرے دھیرے اس کا ذہن قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا...

☆☆=========☆☆

مرسل شاہ کے بھائی کے قتل کے دو دن بعد:

شہزادی تاشہ کی خواب گاہ میں اندھیرا پھیلا تھا۔ جانے وہ کتنی دیر سے سو رہی تھی۔ یا تکیہ منہ پہ رکھے ہوئے تھی جب پردہ کھینچنے کی آواز آئی۔ ساتھ ہی احساس ہوا کہ کمرے میں روشنی در آئی ہے۔

تالیہ نے تکیہ ہٹایا تو تیز دھوپ سے آنکھیں چندھیا گئیں۔ ایک ہیولہ سا نظر آیا جو کھڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے آنکھیں پھر سے بند کر لیں اور دوسری جانب کروٹ موڑ لی۔

"آپ کیوں آئے ہیں؟" بے مروتی سے پوچھا۔

وہ بازو سینے پہ لپیٹے کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ سفید کرتا پاجامہ پہنے' بالوں کو ماتھے پہ بکھیرے' نرمی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہیں یہ بتانے کہ آنکھیں بند کر لینے سے حقیقت نہیں بدل جاتی' تالیہ۔ دو دن کمرے میں بند رہنے سے تو بالکل بھی نہیں۔"

وہ رخ موڑے بند آنکھوں سے بولی۔ "میں بھول جانا چاہتی ہوں کہ دو دن پہلے کیا ہوا تھا۔"

"میں یاد کروائے دیتا ہوں۔" وہ تحمل سے بولا۔ "مرسل شاہ نے اپنے چھوٹے بھائی کو قتل کر دیا تھا جس کے بارے میں ہم نہیں جانتے تھے۔"

تالیہ کی بند پلکیں بھیگنے لگیں۔ "مجھے کیوں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ ایسا کر سکتا ہے؟ کاش میں وہ شرائط نہ رکھتی۔"

"اس میں تمہارا قصور نہیں ہے' تالیہ۔" وہ نرمی سے کہتے ہوئے آگے آیا۔ اس کی چاپ سن کے تالیہ نے کروٹ واپس موڑی تو دیکھا' وہ جھک کے اس کی تپائی پہ دھری دوا کی شیشی اٹھا رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

"میں نے آریانہ جتنے بچے کو مارنے کی شرط رکھ دی۔"

"تم نے ایڈم کو بچانے کے لیے شرط رکھی تھی۔"

"میں آخری شرط کچھ اور رکھ سکتی تھی مگر میں نے خون لینے کی بات کیوں کی؟ کے ایل کے لوگ درست سمجھتے ہیں۔ میں واقعی ایک قاتل ہوں۔"

وہ دوائیں اٹھا اٹھا کے ایک پوٹلی میں ڈال رہا تھا۔ تالیہ تکیے پہ گال رکھے' بہتے آنسوؤں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"مجھ میں اور عصرہ میں کوئی فرق نہیں رہا فاتح۔ میرے ہاتھ پہ بھی ایک بچے کا خون ہے اب۔"

"اب تم بات بڑھا رہی ہو۔" وہ دروازے تک گیا اور باہر کھڑے دربان کو پوٹلی تھمائی۔ پھر آہستہ آواز میں اسے اس کو پھینکنے اور تازہ چائے لانے کی ہدایت کی۔

''جب میں نے ذوالکفلی کو وہ چائے پلائی تھی... تو وہ سمجھا تھا میں نے اسے زہر دے دیا ہے۔ مگر آپ کو یقین تھا کہ میں کسی کی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔ میں بھی سمجھتی تھی' میں ایسا نہیں کر سکتی۔ مگر میں نے ایسا کیا۔'' اس نے بھیگی آنکھیں بند کیں۔ گرم آنسو گالوں پہ لڑھک کے تکیے میں جذب ہونے لگے۔

''میرا باپ بنگار یا ملایو کا بہت بڑا فین تھا۔'' وہ ابھی تک چوکھٹ پہ کھڑا تھا۔ اسے چائے کا انتظار تھا۔'' اس نے بچپن میں مجھے اس کتاب سے ڈھیروں قصے سنائے تھے۔ ہم نے اس کتاب اور وانگ لی کے مجسمے کی وجہ سے وہ گھر لیا تھا۔ وہ سرخ گھر۔''

باہر سے کسی نے اسے طشت پکڑائی تو فاتح اسے اندر لے آیا۔ اور تالیہ کے پلنگ کے ساتھ میز پہ اسے رکھا۔ اس طشت میں چینک تھی اور شیشے کی دو پیالیاں۔

''وانگ لی کا وہ مجسمہ مجھے ایک پرانے دوست کی طرح لگا کرتا تھا۔ میری ماں مجسموں کے خلاف تھی۔ مگر وہ تاریخی ورثہ تھا اس لئے کسی نے اس کو نہیں گرایا۔ مجھے اس مجسمے کو دیکھ کے عجیب ناسٹلجیا ہوتا تھا۔ جیسے کبھی کسی زمانے میں ہم مل چکے ہوں۔ جیسے اس کا مجھ پہ کوئی احسان ہو۔''

وہ نرمی سے کہتا جھک کے پیالیاں نکال رہا تھا۔ وہ بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

''پھر ایک دن کھیل میں' میں نے ایک بچے کو گرا دیا۔ آریانہ جتنے بچے کو۔ سلطان کے بھائی جتنے بچے کو۔ اس کے ٹخنے کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے ماں باپ نے مجھے اتنا زدوکوب نہیں کیا جتنا میں نے خود کو کیا۔ میں مجسمے کے سامنے بیٹھ کے کافی دیر روتا رہا تھا۔ اور پھر..... میرا باپ میرے پاس آیا۔''

وہ پیالی میں چینک سے چائے کی دھار ڈال رہا تھا۔ اس کی خوشبو نے دو دن سے بند کمرے کی مایوس فضا کو معطر کر دیا۔

''میرے باپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں نے جان بوجھ کے اس لڑکے کو مارا تھا؟ کیا میری نیت اس کو نقصان پہنچانے کی تھی؟ میں نے کہا ظاہر ہے نہیں۔ میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور تب مجھے میرے باپ نے وہ بات بتائی جو اس نے بنگار یا ملایو میں وانگ لی کے حوالے سے پڑھی تھی۔ نہ جانے سچ تھی یا جھوٹ۔ مگر وہ اس طرح تھی۔''

اس نے ایک چوکی کھینچ کے پلنگ کے ساتھ رکھی۔ پھر اس پہ بیٹھا اور نرمی سے تالیہ کو دیکھتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی۔

''کیا بات؟'' وہ اٹھ کے تکیوں کے سہارے بیٹھی۔ پھر آنکھیں رگڑیں اور پیالی تھام لی۔ وہ گرم تھی۔ اور تالیہ کے ہاتھ ٹھنڈے تھے۔ ٹھنڈے اور بے جان۔

''وانگ لی کہتا تھا' ہم انسان زندگی میں بہت سے ایسے فیصلے کرتے ہیں جن کا نتیجہ ہمیں شرمندہ کر دیتا ہے۔ اور دکھی بھی۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ہم نتیجے کے ذمے دار نہیں ہوتے۔ اگر ہماری نیت اس غلط نتیجے کی نہیں تھی تو ہم قصوروار نہیں ہو سکتے۔''

ذرا توقف سے اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولا۔ ''کیا تم چاہتی تھی کہ مرسل اپنے بھائی کو مار دے؟''

''ہرگز نہیں۔ مجھے تو معلوم ہی نہیں تھا کہ اس کا کوئی بھائی بھی ہے۔''

''تو پھر تم اس چیز کے لئے کیسے ذمہ دار ہو جس کا نہ تم نے ارادہ کیا اور نہ کوشش؟'' وہ دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔ تالیہ کی پلکیں پھر سے بھیگنے لگیں۔

''آپ اچھے دوست ہیں۔ مجھے ٹراما سے نکالنے آئے ہیں۔ لیکن میں اس منظر کو کیسے بھلاؤں جو میں نے دیکھا تھا؟ وہ خون کا پیالہ... وہ لاش؟''

''کس نے کہا کہ بری یادوں کو بھولنا ضروری ہوتا ہے؟ بھولتے تو ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ جو ظلم ہمارے ساتھ ہوئے۔ جو ظلم ہم نے کیے۔''

''بھولنے کے علاوہ کوئی حل ہے کیا؟ اس یاد کا اثر لینا کیسے چھوڑوں؟''

''یہ تو تمہیں خود معلوم ہوگا کہ تمہیں ایسا کون سا کام کرنا چاہیے جو پچھلے غم کے اثر کو زائل کر دے۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ ''برے تجربے کو اچھے تجربے سے زائل کرنا سیکھو۔ چائے پیو اور یہ بستر چھوڑو۔ ہمیں اپنے لائحہ عمل پہ کام کرنا ہے۔''

''کس چیز کا لائحہ عمل؟'' وہ گھونٹ بھرتے ہوئے چونکی۔ جواباً فاتح نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

''واپس جانے کا تالیہ۔ میرے خیال میں ہم یہ طے کر چکے تھے کہ تم اس کریزی دنیا میں نہیں رہنا چاہتیں۔'' وہ زور دے کر بولا تو وہ چپ ہو گئی۔ نظریں جھکا دیں اور چائے کے گھونٹ بھرنے لگی۔

''آپ کو یاد ہے ہم کس تاریخ کو یہاں آئے تھے؟''

''ہاں۔ 22 جنوری 2017۔ اتوار کا دن۔''

''ہم ذوالکفلی کے گھر کے تہہ خانے سے وقت کے سفر پہ نکلے تھے۔ اس گھر کے سامنے ہی جونکر اسٹریٹ تھی۔ اس روز اس پہ بہت رش تھا۔'' وہ چائے کی پیالی میں جھانکتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''ہمارا لائحہ عمل کامیاب ہو جائے گا اور ہم بہت جلد واپس اسی وقت اور اسی تاریخ میں پہنچ جائیں گے۔''

تالیہ نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سا خوف تھا۔

''مجھے وہ خواب پھر سے نظر آنے لگے ہیں۔ میں دیکھتی ہوں کہ جونکر اسٹریٹ سامنے ہے۔ اس پہ معمول کا رش ہے۔ اور

کوئی بنچ پہ بیٹھا ہے۔''

''کون؟'' وہ چونکا۔

''میں نہیں جانتی۔ایک سایہ سا نظر آتا ہے۔اس وجود سے اداسی ٹپکتی ہے۔دنیا اس کے گرد تیزی سے رواں دواں ہے لیکن وہ وجود.....وہ تنہا اور اداس بیٹھا ہے۔مجھے نہیں معلوم اس کا کیا مطلب ہے لیکن میں یہ خواب بار بار دیکھتی ہوں۔''

''یہ سب مسلسل بستر سے لگے رہنے کا نتیجہ ہے۔تم کب اس بستر کو چھوڑ رہی ہو؟''

''بستر نہ چھوڑنے سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' اپنی بات رد کیے جانے پہ وہ برا مان کے بولی۔''یہ بستر ہی تو ہمارا دوست ہوتا ہے۔''

''اچھا؟'' اس نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''ہاں۔ہماری زندگی کے بڑے بڑے لمحات کا گواہ ہوتا ہے یہ۔انسان اس پہ جنم لیتا ہے۔انسان اس پہ مرتا ہے۔اگر اس پہ نہ بھی مرے تو مرنے کے بعد اسی پہ لٹایا جاتا ہے۔شادی کے وقت بھی اسی کو سجایا جاتا ہے۔بیماری میں اسی سے لگا دیا جاتا ہے۔'' وہ تلخی سے کہہ رہی تھی۔''ہم اس پہ روتے ہیں۔بڑے بڑے فیصلے اسی پہ کروٹیں بدلتے ہوئے لیتے ہیں۔اس پہ لیٹے ہوئے خواب بُنتے ہیں۔اسی پہ خوابوں کے ٹوٹنے کے غم میں روتے ہیں۔اسی پہ اگلے دن کے ادھورے کاموں کو پلان کرتے ہیں۔شاید ہمارا سب سے بڑا غم گسار یہ بستر ہی ہوتا ہے۔''

''لیکن اس سے لگ کے رہنا تمہارے غم کو بڑھا دے گا' تالیہ۔غمگین انسان کے لئے سب سے مشکل کام بستر چھوڑنا اور تیار ہو کے کمرے سے باہر نکلنا ہوتا ہے۔یہ عمل آدھا غم دور کر دیتا ہے۔جب تم اس سے باہر نکلو گی تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤ گی۔''

وہ جس خاموشی سے آیا تھا' اسی طرح نکل گیا۔تالیہ نے کھلے دروازے سے دیکھا' کہ باہر کھڑے دربانوں نے دان فاتح کو سر جھکا کے تعظیم پیش کی تھی۔وہ سر کو خم دیتا' تنی ہوئی بھنوؤں کے ساتھ آگے بڑھ گیا تھا۔اس کو قدیم ملاکہ میں بھی اپنا مقام واپس مل گیا تھا۔وہ یہاں ایک شاہی مہمان کی طرح رہتا تھا نہ کہ غلام کی طرح۔

وان فاتح بالآخر آزاد ہو چکا تھا۔

اس نے چائے کی پیالی رکھ دی اور ٹیک لگا کے چھت کو دیکھنے لگی۔لکڑی کی اونچی چھت سے موم بتیوں کا فانوس لٹک رہا تھا۔ان کے کناروں پہ پگھلی ہوئی موم کی دھار جم کے بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔تالیہ نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔

وہ سوچتی تھی' کوئی کسی کو بچانے نہیں آتا۔مگر کسی کے لئے کوئی آ بھی جاتا ہے۔جیسے فاتح اس کے لئے آیا تھا۔لیکن کوئی آ

جائے' تب بھی وہ ہمیں ہمارے ڈپریشن سے نہیں نکال سکتا۔اپنے بستر سے انسان کو خود ہی نکلنا ہوتا ہے۔

وہ سیدھی لیٹی'اور لحاف چہرے پہ تان کے ایک دفعہ پھر سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔بائیس جنوری۔جونکر اسٹریٹ۔ملاکہ۔

اس کے بنچ کے اردگرد لوگ ہنوز خوش باش چہل قدمی کرتے آگے بڑھ رہے تھے۔کوئی کچھ کھا رہا تھا۔کوئی ہنس رہا تھا۔ایک اس کی دنیا تھی جو ویران ہوئی تھی۔

اس نے سوچنا چاہا کہ وہ یہاں اس بنچ پہ کیوں ہے؟اس سے اٹھا کیوں نہیں جا رہا؟ چلا کیوں نہیں جا رہا؟ پھر اس نے کوشش کی کہ اٹھے...لیکن دماغ ابھی تک ماؤف تھا۔ٹانگوں میں جان نہ تھی۔وہ سُن تھیں۔برف تھیں۔پتھر تھیں۔

اس نے سوچا تھا کہ واپس اپنی دنیا میں آ کے سب ٹھیک ہو جائے گا۔لیکن اب لگ رہا تھا کہ ہر شے کھو دی تھی۔سب رشتے۔سب محبتیں۔اس کے پاس واقعی کوئی نہ بچا تھا۔کس سے بات کرے۔کس کے پاس جائے؟اس نے وقت کے باقی دونوں مسافروں کو بھی کھو دیا تھا۔ایک ذرا سی غلطی نے ان تینوں کو جدا کر دیا تھا۔

یہ باتیں بار بار اپنے ذہن کو بتانے کے باوجود اسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔یہ سب ہوا کیسے؟اس نے کیسے سب کچھ کھو دیا؟بس ایک لمحے میں؟

☆☆=========☆☆

سلطنت محل میں دربار سجا تھا۔تخت ابھی خالی تھا البتہ درباریوں اور وزراء کی کرسیاں بھری تھیں۔سب اکٹھے ہو چکے تھے۔سلطان نے تین روز بعد آج دربار بلایا تھا۔ابھی تک اس کے بھائی کے قتل کی خبر عام نہیں ہوئی تھی اس لئے دربار میں موجود لوگوں کے تاثرات نارمل تھے اور وہ معمول کی کارروائی نمٹانے آئے تھے۔

اگر کوئی شدید پریشانی کا شکار تھا تو وہ بندا ہارا مراد راجہ تھا۔

''اس قلعے والے واقعے کے بعد آج سن باؤ سلطان سے ملنے آ رہا ہے۔'' مراد اپنے ساتھ موجود فاتح سے دبی آواز میں مخاطب تھا۔''پچھلے چار روز وہ چینی سفارت کاروں کے ساتھ مصروف رہا ہے۔میرے آدمی اس کا تعاقب کرتے رہے ہیں۔وہ نہ ملکہ سے ملا ہے نہ سلطان سے۔''

''یعنی ابھی تک اس نے سلطان یا ملکہ کو اس بارے میں نہیں بتایا۔'' فاتح نے گہری سانس لی۔مراد نے گھور کے اسے دیکھا۔

''ہاں کیونکہ محل میں بن بلائے آنا دشوار ہوتا ہے۔مگر آج اس کے پاس موقع ہے' وان فاتح۔وہ سلطان سے ملے گا اور بھرے دربار میں بتائے گا کہ ہم نے کیسے اسے بنا قصور کے حراست میں لینا چاہا۔وہ چینی سفیر ہے اور ہم اس کے ساتھ ایک سنگین زیادتی کے مرتکب ہوئے ہیں۔''

فاتح خاموش رہا۔سیاہ قبا کندھوں پہ ڈالے' بازو پیچھے باندھے وہ بظاہر پرسکون نظر آتا تھا۔لیکن اندر سے وہ جانتا تھا کہ سفارت کاروں سے زیادتی کرنا قدیم زمانے میں بھی اتنا ہی بڑا جرم تھا جتنا کہ 2017 میں۔

''اگر سلطان نے پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟'' مراد کی پریشانی واضح تھی۔مگر فاتح نے جواب نہیں دیا۔وہ سامنے دیکھ رہا تھا۔مراد راجہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

ان کے مخالف سمت ایک کرسی پہ فربہ چینی سفیر اپنا جبہ سنبھالتا بیٹھ رہا تھا۔بیٹھ کے اس نے چھوٹی چمکدار آنکھوں سے مسکرا کے ان دونوں کو دیکھا۔استہزائیہ مسکراہٹ اور فاتحانہ نظریں مراد راجہ کے اندر تک گڑ گئیں۔اس نے تنفر سے رخ پھیر لیا۔

''میں سلطان کو جواب دے دوں گا۔'' فاتح نے خاموش نظروں سے وانگ لی کو گھورتے ہوئے مراد سے کہا۔''غلط فہمی' غلط اطلاع' کچھ ایسا کہہ دوں گا۔''

''مگر سلطان.....''

''آپ بے فکر رہیں اور جواب میرے اوپر چھوڑ دیں۔مجھ پہ بھروسہ کریں راجہ۔'' اس کا انداز یقین دلانے والا تھا اور اس آدمی کا یہی انداز تھا جس پہ مراد راجہ دھیما پڑ جاتا تھا۔اسے قدرے تسلی محسوس ہوئی۔

مرسل شاہ تخت پہ براجمان ہوا تو اس کے انداز میں ایک واضح بدلاؤ محسوس ہوتا تھا۔وہ تکان کا شکار لگتا تھا۔آنکھوں کے سیاہ حلقے رتجگوں کے غماز تھے۔

ایک بے گناہ انسان کی جان لینا ایسا گناہ تھا جو دھیرے دھیرے قاتل کے دل کا ایک حصہ بالکل مار دیتا تھا۔بے چینی' پریشانی' خوف' احساسِ گناہ.....اور پھر بے حسی سے اپنے عمل کو درست کرنا.....اس کی حالت ٹھیک نہیں لگتی تھی۔

مرسل شاہ کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے بے اختیار عصرہ یاد آئی تھی۔وہ بھی آریانہ کے بعد ایسے ہی بدلی تھی۔دھیرے دھیرے۔راتوں کو ڈر جاتی تھی.....نیند سے محروم.....بے چین.....خوفزدہ.....جھنجھلائی ہوئی.....

اس نے سر جھٹکا اور توجہ دربار کی کارروائی پہ مرکوز کی۔سب سے پہلے وانگ لی کو بولنے کا موقع ملا تھا۔

دربار میں باادب سا سناٹا تھا اور وانگ لی تخت کے زینوں کے سامنے کھڑا' ہاتھ باندھے اپنے بادشاہ کا پیغام سلطان تک پہنچا رہا تھا۔یہ معمول کی کارروائی تھی۔

فاتح دم سادھے سنے گیا۔ مراد راجہ بھی کرسی پہ بے چینی سے پہلو بدل رہا تھا۔

"اور کچھ؟" وانگ لی کو اپنا جواب اسے لکھوا کے مرسل شاہ نے رسماً پوچھا۔ وانگ لی نے ہلکا سا توقف کیا۔ اور پھر سر جھکا دیا۔

"نہیں' آقا۔ بہت شکریہ۔" سر اٹھایا' ایک بے نیاز نظر مراد اور فاتح پہ ڈالی اور واپس اپنی کرسی کی طرف بڑھ گیا۔

مراد راجہ نے ایک گہری سانس خارج کی۔ اس کے تمام اعضاء پرسکون ہو کے ڈھیلے ہو گئے۔

"اس نے نہیں بتایا۔ بہت خوب۔ وہ جانتا ہے کہ وہ مجھ سے معاملہ نہیں بگاڑ سکتا۔"

مراد زیر لب مسکرایا۔ لیکن وان فاتح تعجب سے وانگ لی کو دیکھ رہا تھا۔

(یہ کیسے ہوا؟ وانگ لی نے شکایت کیوں نہیں لگائی؟ اس کے پاس بہترین موقع تھا۔ کیا وہ ڈر گیا یا اس نے رحم کھایا؟ یا کوئی تیسری بات تھی؟) وہ الجھ گیا تھا۔

☆☆=========☆☆

تالیہ کے کمرے کا ماحول اس شام بھی ویسا ہی تھا۔ ویران' مایوس' اندھیر۔ دربان نے دروازہ کھولا اور فاتح اندر داخل ہوا تو دیکھا' وہ پلنگ پہ ٹیک لگائے بیٹھی تھی۔ بال گول مول بندھے تھے اور چہرے پہ بے رونقی تھی۔

سامنے مسہری پہ ایڈم بیٹھا تھا۔ بیساکھی اپنے پہلو سے لگا رکھی تھی۔ کرتے پاجامے میں ملبوس' نحیف اور لاغر سا لگتا تھا۔ آنکھوں میں زمانے بھر کی نقاہت تھی۔

"تم نے بتا دیا تالیہ کو جو مجھے بتایا تھا؟" فاتح نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ دونوں نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔ دونوں اتنے بیمار اور نحیف لگتے تھے کہ چونکتے بھی نہیں تھے۔ بس آہستہ سے نظروں کا رخ موڑتے تھے۔

"جی۔" تالیہ نے سر ہلایا۔ "بابا کے پاس چابی نہیں ہے نہ ہی اسے بنانے کا طریقہ ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک اور دھوکہ دیا ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔"

"مراد راجہ صرف مجھے مارنا چاہتے ہیں۔" ایڈم نے مایوسی سے سر جھکا دیا۔ "ان کا کہنا ہے کہ میں "عام" ہوں۔ مجھے خاص لوگوں میں نہیں رہنا چاہیے۔"

فاتح کمرے کے وسط میں کھڑا تھا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے' اس نے ترحم سے باری باری ان دونوں کے چہرے دیکھے۔

"جب میں نے کہا ہے کہ تم دونوں کو واپس لے جاؤں گا تو اتنے مایوس کیوں ہو؟ دوا کے اجزائے ترکیبی مکمل ہیں۔ میں ابھی راجہ سے کہتا ہوں کہ وہ ہمیں دوا بنا کے دے' تاکہ کم از کم تم میں سے ایک کی بیماری تو ختم ہو۔"

پھر تالیہ کو افسوس سے دیکھا۔وہ ابھی تک بستر سے نہیں نکلی تھی۔''اور تم.....تم اب اپنا فیصلہ نہیں بدلو گی۔ ہے نا؟''

تالیہ نے نظریں جھکا دیں۔فاتح کے چہرے پہ ناراضی اتری۔

''اس روز تم نے مجھے کہا کہ میں تمہیں واپس لے جاؤں۔وہ جذبات کے زیر اثر کہا تھا کیا؟''

تالیہ نے جھکے سر کے ساتھ نفی میں گردن ہلائی۔''میں واپس جاؤں گی۔ میں اپنے فیصلے پہ قائم ہوں۔لیکن.....'' بھیگی نظریں اٹھائیں۔''میں کس منہ سے خود کو بے گناہ کہوں گی؟ میں کیسے کہوں گی میں نے عصرہ کو نہیں مارا جبکہ میں نے ایک بچے کو.....''اس نے لب کاٹے۔

''وہ ایک دوسری دنیا کا مسئلہ ہے' تالیہ۔ جب ہم وہاں جائیں گے تو اس کو حل کریں گے۔ ابھی کے لئے...''وہ آگے آیا اور اس کے پلنگ کے کنارے رکا۔پھر غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

''تم نے اپنے بابا کو یہ یقین دلانا ہے کہ تم کہیں نہیں جا رہیں۔''

تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔''یعنی ایک جادوگر کو کون کرنا ہے؟''

فاتح نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''اپنی بہترین اداکاری جاری رکھو۔سلطان سے شادی پہ اعتراض نہ کرو۔ظاہر کرو کہ تم یہاں خوش ہو۔مراد راجہ کو شک نہیں ہونا چاہیے۔''وہ انگریزی میں کہہ رہا تھا۔یہ زبان ان کی گفتگو کو بھرے مجمع میں بھی خفیہ رکھنے کے لئے کافی تھی۔

تالیہ نے دھیرے سے گردن موڑ کے ایڈم کو دیکھا۔''تم نے بنگا رایا ملایو میں جھوٹ کیوں لکھا؟''

''میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے۔میں نے ابھی تک کچھ نہیں لکھا کیونکہ مجھے سرکاری طور پہ سلطان کے بھائی کے مرنے کی اطلاع نہیں ملی۔ نہ ہی آخری شرط کے پورے ہونے کی۔ایڈم کبھی جھوٹ نہیں لکھے گا۔''

''اور وانگ لی کے قلعے کے بارے میں کیا لکھا ہے؟''

'مجھے کیا معلوم وانگ لی کے قلعے کا کیا قصہ ہے۔سرکاری طور پہ مجھے کوئی اطلاع ملی ہی نہیں ہے۔''

''کیا وانگ لی نے آپ کی شکایت کی ہے؟''تالیہ کو یاد آیا۔ایک دم اٹھ بیٹھی۔

''نہیں۔اس نے کچھ نہیں کہا۔''فاتح بازو سینے پہ لپیٹے سامنے کھڑا کچھ سوچنے لگ گیا تھا۔

''کیا مطلب؟اس کے پاس بہترین موقع تھا۔''

''یہی تو میں سوچ رہا ہوں کہ وانگ لی نے وہ قصہ کیوں چھپایا۔حالانکہ اب تک وہ اس شے کو قلعے سے غائب کر چکا ہو گا۔''

''کیا وہاں کچھ ایسا نہ تھا جو مشکوک ہو؟'' ایڈم نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ وہاں صرف آگ جلانے کا سامان تھا۔''

''ہو سکتا ہے اس سامان میں کچھ ہو۔''

''نہیں ایڈم۔ اس میں کچھ نہیں تھا۔'' وہ بے زار ہوا۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ذہنی دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

''کیا معلوم زمین میں کچھ دبایا ہو۔ یا دیواروں میں چن دیا ہو؟'' وہ اب بالکل سیدھی ہو کے بیٹھ چکی تھی۔ ایڈم نے بھی کمر سیدھی کر لی تھی۔

کمرے کا ویران ماحول دھیرے دھیرے بدل رہا تھا۔ فضا میں کچھ ایسا در آیا جو اتنے دن سے وہاں نہ تھا۔ دلچسپی کا عنصر۔ معمہ حل کرنے کی خواہش۔

''اتنا وقت نہیں ملا مگر زمین پہ گھاس تھی۔'' وہ اب بے چینی سے دائیں بائیں ٹہلنے لگا۔ کوئی سرا تھا جو ہاتھ نہ آتا تھا۔

''کیا معلوم.....'' ایڈم کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ ''آگ جلانے کے سامان میں کچھ ہو؟''

''نہیں ایڈم۔ پندرہویں صدی کے ملاکہ میں آگ جلانے کا سامان عام چیز ہوتی ہے۔''

''دیٹس اِٹ۔'' ایڈم نے بیساکھی آہستہ سے نیچے رکھی اور فاتح کو دیکھا۔ اس کی نقاہت زدہ آنکھوں میں بالآخر چمک در آئی تھی۔ جیسے ایک سرا اس کے ہاتھ لگا تھا۔ ''آپ ہر چیز کو پندرہویں صدی کے ملاکہ کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔''

''یعنی؟''

''فاتح صاحب..... وہ چیز پندرہویں صدی کے لوگوں کو اتنے عرصے سے کیوں نہیں ملی؟ شاید اس لیے کہ اسے ڈھونڈنے کے لیے اکیسویں صدی کے آدمی کی طرح سوچنا ہوگا۔''

''ایڈم کا مطلب ہے کہ اگر ہمارے زمانے میں کسی وانگ لی کو کسی قلعے میں وزیر اعظم کے گارڈز جا گھیرتے۔ اس کی ہزیمت ہوتی۔ لیکن وہ کچھ برآمد نہ کر سکتے اور ناکام لوٹ جاتے..... تو وانگ لی کو کیا کرنا چاہیے؟''

''عدالت میں جائے۔ ہراس منٹ کی شکایت کرے۔'' وہ اب دائیں سے بائیں کمرے میں ٹہلنے لگا تھا۔

''لیکن اگر وانگ لی پولیس یا عدالت کے پاس نہ جائے..... تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟''

وہ ٹہلتے ٹہلتے پلنگ کی پائنتی کے پاس رکا۔ نظریں کھڑکی سے آتی روشنی پہ مرکوز کیں۔

''اگر وہ پولیس کو ملوث کرتا تو پولیس پہلا سوال پوچھتی کہ.....'' اور چار دن بعد اس ایک پل میں..... ڈوبتی شام کی نیلگوں روشنی دیکھتے ہوئے وان فاتح کے ذہن میں بجلی کا کوندا سا لپکا۔ ''..... کہ یہ قلعہ کس کا ہے۔''

''اوہ۔وہ قلعہ کس کا ہے؟''

فاتح نے تاسف سے ماتھے کو چھوا۔''اوہ نو...سن باؤ نے قلعے کے اندر کچھ نہیں چھپایا تھا۔اس نے اس ''قلعے'' کو چھپا رکھا تھا۔''

''کیا مطلب؟''

''سن باؤ کی رنگت مجھے دیکھتے ہی زرد ہو گئی تھی۔مگر جب میں نے سپاہیوں کو اندر سے مشکوک شے لانے کو کہا اور وہ کچھ نہ لا سکے تو وہ مطمئن ہو گیا۔پہلے وہ سمجھا تھا کہ میں اس قلعے کو پکڑ چکا ہوں۔وہ قلعہ بذات خود خفیہ شے تھی۔ہمیں سمجھنے میں غلطی ہوئی۔''اس نے افسوس سے سر جھٹکا۔

''آپ لوگوں نے یہ معلوم نہیں کروایا کہ وہ قلعہ کس کا تھا؟''

''نہیں۔کیونکہ پندرہویں صدی میں لینڈ اونر شپ کے قوانین مختلف ہیں۔ہم نے یہ فرض کر لیا تھا کہ وہ قلعہ سن باؤ کا تھا۔لیکن اگر تم اکیسویں صدی کے تناظر سے دیکھو تو پہلا سوال بنتا ہے کہ جائے واردات کا مالک کون ہے؟''وہ افسوس سے سر نفی میں ہلا رہا تھا۔

ایڈم کے بے رونق چہرے پہ بالآخر چمک در آئی۔''ارے واہ۔ہم نے اتنا بڑا معمہ حل کرنے میں آپ کو مدد دی ہے۔''

وان فاتح نے ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی اور کندھے اچکائے۔''میں ویسے بھی معلوم کر لیتا۔کتنا اچھا ہو کہ تم دونوں اس وقت اپنے معمے حل کرنے پہ توجہ دو۔''

باری باری دونوں پہ ایک اچٹتی نظر ڈالی اور سر جھٹک کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔تالیہ نے دائیں ابرو اٹھا کے اسے جاتے دیکھا۔

''وہ سمجھتے ہیں ہم بے کار ہو چکے ہیں۔''

''کیا غلط سمجھتے ہیں؟''

تالیہ نے ایک گھورتی نظر اس پہ ڈالی اور لحاف مٹھیوں میں دبوچ کے پرے پھینکا۔

''میرے پاس صرف ایک چیز بچی ہے بچانے کو۔وہ میری اصل دنیا ہے۔کے ایل کی تالیہ مراد کی دنیا۔مجھے اپنی دنیا واپس چاہیے۔میں ہار نہیں مانوں گی۔''

وہ بستر سے اتری اور پیر جوتوں میں ڈالے۔اسے اپنے غم سے خود کو خود ہی نکالنا تھا۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ بنچ سے اٹھی اور بے مقصد انداز میں سڑک کنارے چلنے لگی۔ دونوں اطراف کی دکانیں پُر رونق اور گاہکوں سے بھری تھیں۔ شور اتنا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی لیکن وہ کچھ نہیں سن رہی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' خالی خالی نظروں سے سامنے دیکھتی وہ قدم اٹھانے لگی۔ اس کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اپنی اس دنیا کے لیے وہ واپس آئی تھی۔ اس دنیا کے لیے اس نے ساری اداکاری کی تھی۔ اور یہاں آ کے معلوم ہوا تھا کہ اس کے پاس کچھ بچا ہی نہیں تھا۔

وہ چلتے چلتے دو سڑکوں کے سنگم پہ آ رکی تھی۔ وسط چوک پہ بھورے رنگ کا گھنٹہ گھر کھڑا تھا جو اندھیرے میں زرد روشنیوں سے سجا بے حد خوبصورت نظر آتا تھا۔ وہ ویران نظروں سے اس پہ لگی گھڑی کو دیکھے گئی۔

وقت نے سب کچھ چھین لیا تھا اس سے۔ چند لمحوں کی غلطی نے صدیوں کی سزا دے ڈالی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟

☆☆=========☆☆

مراد راجا اپنے نیم روشن دیوان خانے میں کھڑا تھا۔ وان فاتح اس کے مقابل موجود تھا ایسے کہ دونوں کے درمیان ایک میز تھی اور دونوں سنجیدہ لگتے تھے۔

''میں نے معلوم کر لیا ہے کہ سن باؤ کس شے کو چھپانا چاہ رہا تھا۔ ہم ایک دفعہ پھر اس کو رنگے ہاتھوں پکڑنے جا رہے ہیں۔'' وہ رازداری سے کہہ رہا تھا۔

''وہ شے کیا ہے؟''

''آپ خود دیکھ لیں گے' راجہ۔'' اس کا انداز مبہم تھا۔ ''بس مجھ پہ اعتماد کریں۔''

مراد کا چہرہ تاریکی میں تھا' مگر اتنا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مطمئن ہے۔ شاہی قبا میں ملبوس' ماتھے پہ سرخ پٹی باندھے' ہاتھ کمر پہ باندھے وہ ہمیشہ کی طرح بارعب نظر آ رہا تھا۔

''تمہیں یقین ہے کہ تم سن باؤ کا پتہ صاف کر دو گے؟''

''یہ آپ مجھ پہ چھوڑ دیں۔''

راجہ نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔ ''پہلے بھی چھوڑا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سن باؤ نے آقا کو کچھ نہیں بتایا ورنہ.....''

''وہ نہیں بتائے گا۔ بے فکر رہیں۔ مگر....'' وان فاتح نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''آدم کہہ رہا تھا کہ آپ کے پاس

وقت کی چابی بنانے کا کوئی کلیہ نہیں ہے۔"

"میں نے تمہیں پہلے دن ہی بتا دیا تھا کہ جس چابی کے ذریعے تم لوگ آئے ہو وہ تمہارے شکار باز کی تھی۔ مجھے تمہیں واپس بھیجنے کے لئے نئی چابی بنانی پڑے گی۔"

"اور آدم کا کہنا ہے کہ آپ وہ نہیں بنائیں گے۔" فاتح چبھتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ایک مرتا ہوا آدمی مایوسی کے علاوہ کیا کہے گا؟" مراد جھک کے میز پہ پھیلے نقشے کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

"یعنی آپ چابی بنا دیں گے؟"

"بالکل۔ میں نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کروں گا۔ مگر میری ایک اور شرط بھی ہے۔"

مراد سیدھا ہوا اور فاتح کو دیکھ کے مسکرایا۔ نیم اندھیر کمرے کے کونے میں چلتی واحد مشعل نے ماحول کو عجیب پر اسرار بنا رکھا تھا۔

"نئی شرط؟ راجہ ہمارا اور آپ کا معاملہ پہلے سے طے پا چکا ہے۔" وہ بہت ضبط سے بولا۔ "چابی کے بدلے تخت۔"

"کیا تم اس آدمی سے ایسے بات کرو گے جو تمہیں تمہاری دنیا میں بھیجنے کی واحد امید ہے؟"

فاتح نے تلخ گھونٹ حلق سے نیچے اتار لیا۔ "آپ شرط بتائیں۔"

"تم نے میری بیٹی سے خفیہ طور پہ نکاح کیا تھا۔ اس کی ایک نقل یان سوفو کے پاس تھی۔ باقی دونوں نقول شہزادی تاشہ اور تمہارے پاس تھیں۔ مجھے تمہاری نقل چاہیے۔"

فاتح کے ابرو تعجب سے اکٹھے ہوئے۔ "وہ ایک خطرناک کاغذ ہے۔ اس کو شہزادی کے خلاف استعمال کر کے انہیں نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ آپ اسے کیوں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

"میں نے اپنی شرط بتا دی ہے۔" مراد واپس نقشے پہ جھکا اور چند مقامات پہ لکیریں کھینچنے لگا۔ "میں مزید انتظار نہیں کر سکتا۔ ہمیں مرحوم سلطان کے بیٹوں کو پیغام بھیج دینا چاہیے۔ ہم بغاوت کے لیے تیار ہیں۔ میں تخت پہ بیٹھوں گا تو تمہیں چابی ملے گی۔"

"مگر....." فاتح نے بدقت ضبط کر کے آواز دھیمی کی۔ "مگر راجہ۔ ہماری ساری سودا بازی آدم کی دوا کے لئے تھی۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں ایک ماہ کی معیاد میں آپ کے لئے کام کروں گا اور آپ کو تخت کے قریب لے جاؤں گا۔ آپ فوراً سلطان نہیں بنیں گے۔ پہلے مرحوم سلطان کے بیٹے تخت پہ قابض ہوں گے۔ پھر ان کو ہٹانے میں کچھ وقت لگے گا۔ اس کے بعد آپ سلطان بنیں گے۔ جبکہ آدم اور مجھے واپس جانا ہے....." وہ رکا اور گہری سانس لی۔ "یا شاید آپ چاہتے ہیں کہ میں

واپس نہ جاؤں؟"

"تم عقلمند آدمی ہو فاتح۔اس لئے اپنے دوست کی دوا کی بجائے میرے تخت کی فکر کرو۔تمہیں واپس جانے سے پہلے مجھے تخت پہ بٹھانا ہوگا۔"

حتمی انداز میں کہہ کے مراد نے نقشہ لپیٹا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

فاتح ضبط کے گھونٹ بھرتا اُسے جاتے دیکھتا رہا۔

یہ طے تھا کہ بنداہارا امرا اور اجہ کے وعدے اور اقوال صدق سے خالی تھے۔

☆☆==========☆☆

فاتح کو دیوان خانے میں چھوڑ کے مرادراجہ اپنے دربار کی طرف بڑھ گیا۔یہ بنداہارا کے محل کا دربار تھا اور گو کہ یہ مرسل شاہ کے سلطنت محل جیسا عالی شان نہ تھا' مگر اس کے دفتری کاموں کے لیے کافی تھا۔روز اس وقت یہاں درباریوں اور اعلیٰ افسران کی موجودگی لازم ہوتی تھی۔لیکن آج دربار خالی پڑا تھا۔

مراد بغلی دروازے سے اندر آیا تو ٹھٹکا۔دربار میں کوئی ذی نفس نظر نہیں آتا تھا۔پنکھے جھلنے والے غلام اور دربان تک موجود نہ تھے۔کس کی ہمت تھی اس کے افسران کو ابھی تک باہر کھڑا رکھنے کی؟وہ برہمی سے دربان کو آواز دینے لگا لیکن پھر.....اسے نظر آگیا کہ یہ کس کی ہمت ہو سکتی تھی۔

وہ کھڑکی کے سامنے کھڑی تھی۔مراد کی طرف پشت اور دھوپ کی طرف چہرہ تھا۔کامدار جامنی لباس پہنے' بالوں کو آدھا باندھ کے سر پہ تاج سجائے' وہ باہر دیکھتی گم صم نظر آرہی تھی۔

آج پانچ روز بعد اسے مراد نے کمرے سے باہر دیکھا تھا۔وہ مسکرایا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔

"تمہیں دیکھ کے خوشی ہوئی۔"

وہ آہستہ سے اس کی طرف مڑی۔ایسے کہ چہرے پہ اب بھی دھوپ پڑ رہی تھی۔

"آپ جانتے ہیں سلطان نے کیا کیا ہے؟"اس کا انداز کسی بھی تاثر سے خالی تھا۔

مراد نے نرمی سے اس کے کندھوں پہ ہاتھ رکھے۔"میں جانتا ہوں تم اس بچے کی موت سے....."

"ہماری دنیا میں ایک کہاوت بولی جاتی ہے بابا۔کہ پہلا تاثر آخری تاثر ہوتا ہے۔"وہ اس کی آنکھوں میں جھانکتی مسکرا کے گویا ہوئی۔"مرسل شاہ کے بارے میں میرا پہلا تاثر یہ تھا کہ وہ ایک کم عقل' عیاش اور بے حس سا آدمی ہے۔پانچ دن پہلے مجھے معلوم ہوا کہ وہ شاطر اور سفاک بھی ہے۔اسی غم نے مجھے گرا دیا۔لیکن میں غلط تھی۔میرا پہلا تاثر درست تھا۔وہ سفاک ہو

سکتا ہے' شاطر نہیں۔"

مراد کے ہاتھ دھیرے سے اس کے کندھوں سے ہٹے۔ اسے معلوم تھا تالیہ کے اگلے الفاظ کیا ہوں گے۔

"یہ شاطر پن اس میں کسی اور نے ڈالا ہے۔"

"تاشہ....."

"اسے میری آخری شرط کو پورا کرنے کا راستہ "آپ" نے دکھایا تھا' ہے نا؟" نظریں مراد کی آنکھوں پہ جمی تھیں اور لب سرگوشی میں حرکت کر رہے تھے۔ "آپ نے اسے مشورہ دیا تھا کہ وہ اس بچے کو مار دے۔ اتنی عقل مرسل شاہ میں خود سے نہ تھی۔ یوں آپ نے اس کا اعتماد بھی جیت لیا اور اپنے تخت کے راستے میں حائل ایک ننھے جانشین کو بھی ہٹا دیا۔ وہ بھی خوش ہو گیا کہ اس نے میری شرائط پوری کر دی ہیں۔"

"تاشہ..... میری جگہ اگر....."

"بابا۔" اس نے نرمی سے مراد کے دونوں ہاتھ تھام لیے اور سمجھ کے سر ہلایا۔ "آپ نے جو کیا مجھے اس کا دکھ ہے' مگر آپ نے صحیح کیا۔ تخت کے لیے بڑی بڑی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ میں سمجھ سکتی ہوں۔"

مراد نے گہری سانس لی اور ہلکے سے کندھے اچکائے۔ "تمہیں اس سے شادی نہیں کرنی پڑے گی۔ ہم بہت جلد اس کا تختہ الٹ دیں گے۔ پھر تم اور میں..... ہم دونوں ملاکہ کے حکمران ہوں گے۔"

وہ مسکرا دی۔ "میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ یہ رہا وہ نکاح نامہ جو آپ نے مانگا تھا۔" اس نے کھڑکی کی منڈیر پہ رکھا رول شدہ کاغذ مراد کی طرف بڑھایا۔ "میں ملاکہ پہ حکومت کرنے واپس آئی ہوں۔ میں آپ کے ہر فیصلے میں آپ کا ساتھ دوں گی۔"

مراد نے کاغذ لیا اور کھلے دل سے مسکرایا۔ "تم پوچھو گی نہیں کہ میں اس کا کیا کروں گا؟"

"مجھے آپ پہ پورا بھروسہ ہے۔" تالیہ کی مسکراتی آنکھوں میں عجیب سی سرد مہری تھی جسے مراد راجہ نہیں پہچانتا تھا۔

"لیکن آپ نے اپنا وعدہ نبھانا ہے۔ ایڈم کی دوا اور فاتح کی چابی۔"

"مجھے یاد ہے۔ میں دوا کی ترکیب تمہارے پاس لانے ہی والا تھا۔ سلطان کے سپاہیوں نے تمام اجزائے ترکیبی پہنچا دیے ہیں۔ تم اور آدم دوا بنانا شروع کر سکتے ہو۔" مراد نے پیٹی سے ایک کاغذ نکالا اور اس کی طرف بڑھایا۔

"آپ اسے خود نہیں بنائیں گے۔"

"یہ جادو نہیں ہے۔ دوا ہے۔ اس کو بنانے کے لیے سارا دن ساری رات مجھے اس کے سر پہ کھڑا ہونا پڑے گا اور وہ میں نہیں کر سکتا۔ مجھے بغاوت کی تیاری کرنی ہے۔ تم اسے اپنے دوست کے لیے خود بھی بنا سکتی ہو۔"

تالیہ کی آنکھوں میں چمک در آئی۔ اس نے مسکرا کے سر ہلایا' تعظیم پیش کی اور کاغذ لیے دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد کافی دیر تک مراد وہاں تنہا کھڑا رہا۔ اس کا ذہن کسی گہری سوچ میں الجھا تھا۔ عارف آیا اور کھنکھارا تو وہ چونکا۔

''راجہ..... آپ نے وہ ترکیب شہزادی کو دے دی؟''

''ہوں۔'' اس نے کھڑکی سے باہر دھوپ سے چمکتے دالان کو دیکھتے ہوئے ہنکارا بھرا۔ عارف نے آواز دھیمی کی۔

''جب شہزادی کو علم ہوگا کہ یہ اصل ترکیب نہیں ہے تو وہ بہت واویلا کریں گی۔''

''اسے کبھی علم نہیں ہوگا' عارف۔'' مراد نے چہرہ موڑ کے اطمینان سے اسے دیکھا۔ ''میرے علاوہ سارے ملاکہ میں ایسا کوئی جادوگر نہیں ہے جس کے پاس اصل ترکیب ہو۔''

''اگر آپ نے ان کو غلط ترکیب دینی تھی تو درست اجزائے ترکیبی کیوں بتائے؟''

''تب میرا خیال تھا میں اس کے لیے دوا بنادوں گا لیکن اب میں ایسا نہیں چاہتا۔ وہ ٹھیک ہوگیا تو مجھے چابی بنانی پڑے گی۔''

''بجا فرمایا' راجہ۔'' پھر عارف کو خیال گزرا۔ ''لیکن یہ غلط دوا اس کے ساتھ کیا کرے گی؟''

مراد نے بے نیازی سے شانے اچکائے۔ ''وہ اس نوجوان کا قصہ تمام کر دے گی۔'' پھر تخت کے زینے چڑھتے ہوئے اس نے ہدایت دی۔ ''تاشہ کو دوا بنانے کا سامان تہہ خانے میں اکٹھا کر کے دے دو۔ بظاہر اس کے کسی حکم کی تعمیل میں دیر نہیں ہونی چاہیے۔''

عارف نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اور واپس مڑ گیا۔ دربار کے لگنے کا وقت ہوا چاہتا تھا۔

☆☆==========☆☆

رات اپنے سیاہ پر پھیلائے قدیم ملاکہ کو اپنی آغوش میں لے چکی تھی۔ آج آسمان پہ تاریک بادل چھائے تھے جو پانی کے بوجھ سے لدے تھے۔ جیسے ہی شہر کے مکین سونے چلے گئے' ان بادلوں سے مزید بوجھ سہارا نہ گیا۔

پہلے تیز ہوا چلی' پھر زور زور سے بجلی کڑکنے لگی۔ بادلوں کی گرج چمک' اور خوفناک آواز نے سارے شہر کو خوف کو جتا کر دیا تھا۔

سلطان مرسل شاہ کی آنکھ اسی آواز سے کھلی تھی۔ اس نے پلکیں جھپکائیں۔ اوپر چھت پہ لگے فانوس کی مشعلیں بجھی تھیں۔ ٹھنڈی ہوا اندر آرہی تھی۔ وہ کھڑکیاں بند کر کے سونے کا عادی تھا۔ مگر کوئی کھڑکی کھلی رہ گئی تھی۔ شاید ہوا سے فانوس بجھا تھا۔

کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ محافظ کمرے کے باہر ہوتے تھے اس لئے ان کو آواز دے کر بلانا ہوتا تھا۔ مرسل نے لب کھولے تو اسے احساس ہوا اس کے منہ میں کچھ ہے۔ لوہے کا ٹکڑا جو اس کے دانتوں کے درمیان پھنسا ہے۔ جس کے باعث وہ آواز نہیں نکال سکتا۔

اس کے اعصاب دھیرے دھیرے بیدار ہونے لگے۔ اس نے تیزی سے ہاتھ اٹھانے چاہے مگر.... ہاتھ رسیوں سے بندھے تھے۔ پیر ہلانے چاہے۔ وہ بھی جکڑے ہوئے تھے۔ منہ سے غوں غاں کے سوا آواز نہیں نکلتی تھی۔

مرسل نے گردن تکیے پہ ادھر ادھر ماری مگر بے سود۔ خوف اس کے سارے وجود پہ چھانے لگا۔ پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کے اندھیرے میں دیکھنا چاہا۔

اور تب اسے وہ چہرہ پہلی دفعہ نظر آیا۔

سر پہ سیاہ ٹوپی اور نیچے سیاہ پاجامہ کرتا پہنے' وہ بازو سینے پہ لپیٹے اس کے سرہانے کھڑی اسے دیکھ رہی تھی۔

مرسل کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

''حیرانی ہوئی مجھے یہاں دیکھ کے؟ اوہ تمہیں لگا تھا میں تمہارے کمرے میں صرف دلہن بن کے آؤں گی۔ چچ چچ۔'' وہ اس کے قریب فرش پہ پنجوں کے بل بیٹھی اور چہرہ اس کے اوپر جھکایا۔

''مگر وہ کیا ہے کہ میں ان نازک شہزادیوں میں سے نہیں ہوں جو سلطان کی دلہن بننے کا خواب دیکھتی ہیں۔ میرے خواب کچھ دوسرے تھے۔''

مرسل نے پوری قوت سے ہاتھوں کو جھٹکا دیا اور گردن دائیں بائیں ہلائی۔ تالیہ نے ایک دم تیزی سے حرکت کی اور ایک چمکدار تیز چاقو اس کی گردن پہ رکھ دیا۔ مرسل کے جسم کی پھڑ پھڑاہٹ تھم گئی۔ سانس بھی تھم گیا۔

''تاشہ کو اس وقت صرف ایک چیز واپس چاہیے۔ اس کی دنیا۔ اور اگر اس کے لیے اسے تمہاری گردن پہ چھری بھی چلانی پڑی تو وہ چلا سکتی ہے۔''

مرسل شاہ کے ماتھے پہ پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ خوف اس کے سارے وجود کو جکڑے ہوئے تھا۔

''ایسے ہی خنجر سے تم نے اس بچے کو مارا تھا نا؟ اور اس خون کو میرے سر ڈال دیا؟'' اس کے سرہانے پہ جھکے وہ غرائی۔ ''میں نے وہ شرائط اس لئے رکھی تھیں تا کہ تم.... تم جان لو کہ تم میرے قابل نہیں۔ مگر تم نے ایک بچے کو مار ڈالا۔ کیا اس کو بھی ایسے باندھا تھا؟ ایسے بے بس کیا تھا؟''

مرسل نے خوف سے نفی میں گردن ہلانا چاہی مگر جسم نے ہلنے سے انکار کر دیا۔

''اس کا خون کہاں سے نکلا تھا؟ گردن سے؟ تمہیں تمہیں ویسے ہی ذبح کروں؟ مجھے بتانا کیسا لگتا ہے۔ ہوں؟''

مرسل نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں۔ چاقو کا ٹھنڈا پھل اسے گردن پہ محسوس ہو رہا تھا۔

''مگر میں اسے تمہاری گردن پہ نہیں چلاؤں گی۔ بلکہ..... میں تمہیں ایک موقع دوں گی۔''

مرسل نے آنکھیں کھولیں اور اسے دیکھا۔ وہ وہیں زمین پہ بیٹھے بیٹھے کہہ رہی تھی۔ ''تم صبح ہوتے ہی مجھ سے شادی سے انکار کر دو گے۔ ورنہ ہر رات میں تمہیں ملنے آؤں گی۔ اسی طرح۔ بالکل اسی طرح۔ اور جانتے ہو میں کیا کروں گی؟''

اس نے خنجر گردن سے ہٹایا اور اس کے بالوں کی ایک لٹ پکڑی۔ پھر زور سے اسے کاٹ ڈالا۔

''میں ہر رات تمہارے بالوں کا کچھ حصہ کاٹ کے تمہارے سینے پہ رکھ جاؤں گی۔'' اس نے کٹے ہوئے بال اس کے سینے پہ رکھے اور پیچھے ہوئی۔

''مضحکہ خیز بات لگتی ہے۔ ہے نا؟ مگر زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ جب روز درجنوں محافظوں کے نرغے میں سوؤ گے۔ خوف سے نیند بھی نہیں آئے گی۔ محل کی حفاظت بڑھا دو گے.... پھر بھی ہر صبح اٹھو گے تو تمہاری ایک کٹی ہوئی لٹ تمہارے سینے پہ پڑی ہوگی۔'' وہ سرگوشی میں بولتی ہوئی کھڑی ہوئی۔

''اور ہر صبح تمہیں احساس ہوگا کہ میرا خنجر تمہاری گردن کے کتنا قریب تھا۔ ہر رات میں تمہاری جان بخشا کروں گی۔ لیکن اگر تم نے یہ شادی والا ناٹک ختم نہ کیا تو کسی روز یہ خنجر تمہاری شہ رگ پہ چل بھی سکتا ہے۔''

خنجر واپس میان میں اڑسا اور اپنی ہتھیلی اس کے قریب لائی۔ وہ دیکھ سکتا تھا کہ ہتھیلی میں سیاہ رومال ہے۔ اس نے دائیں بائیں گردن مارنا چاہی مگر وہ بھیگا رومال سختی سے اس کی ناک پہ جما چکی تھی۔ مرسل شاہ کا ذہن چند لمحوں میں تاریکی میں ڈوب گیا۔

ایک جھٹکے سے اس کی آنکھ کھلی تو سارے کمرے میں روشنی تھی۔ وہ تیزی سے سیدھا ہو کے اٹھ بیٹھا اور اپنی کلائیوں کو چھوا۔ وہ آزاد تھی۔ ان پہ رسیوں کا نشان تک نہ تھا۔ نہ ہی کمرے کی کوئی شے ہلی ہوئی تھی۔ وہ بستر سے اترا اور اپنی گردن جھاڑی۔ بالوں کی کوئی لٹ' کوئی کٹے ہوئے بال وہاں نہ تھے۔ کھڑکی بھی اندر سے بند تھی۔ مرسل بھاگ کے کھڑکیوں تک گیا اور ایک ایک کی کنڈی دیکھی۔ سب مقفل تھیں۔

وہ زور سے چلا کے سپاہیوں کو بلانے لگا۔ چند ثانیے میں سب دوڑے چلے آئے۔

''میرے کمرے میں رات کو کون آیا تھا؟ سوتے رہتے ہو تم لوگ؟'' وہ لال چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ ''دیکھو۔ ڈھونڈو۔ وہ کہاں سے آیا تھا۔''

آئی تھی' کہنے کی جراءت اس میں نہ تھی۔ ایک عورت اس کے ہاتھ پیر باندھ کے چلی گئی؟ اونہہ۔ (اس نے اپنی کلائیوں کو سہلایا۔ سپاہی سارے میں پھیل گئے۔ خواب گاہ اور آس پاس کے کمرے چیک کیے ہر جگہ کی تلاشی لی۔ پھر واپس آئے اور اطلاع دی۔

''آقا۔ کوئی نہیں آیا رات کو۔ کسی کے آنے کا سراغ تک نہیں ہے۔''

پھر اس محافظ نے ڈرتے ڈرتے سر اٹھایا۔ ''شاید آقا نے کوئی برا خواب دیکھا ہو؟''

مرسل نے ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کو کہا۔ وہ سب چلے گئے تو وہ آئینے کے سامنے آیا۔ گہرے سانس لئے۔ اس کی رنگت بحال ہونے لگی تھی۔ شاید وہ صرف ایک برا خواب تھا۔ شہزادی تاشہ ایسی بھیانک حرکت کیسے کر سکتی ہے؟ اونہوں۔

وہ اپنے عکس کو دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اعصاب نارمل ہونے لگے تھے۔ اور تب اس نے آئینے میں دیکھا...

اس کی سامنے والی لٹ چھوٹی تھی۔ جیسے نیچے سرے سے خنجر کے وار سے کاٹ ڈالی گئی ہو۔

مرسل کے کندھے ڈھیلے پڑ گئے اور رنگت ایک دفعہ پھر سفید پڑنے لگی۔

☆☆==========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ اب گھنٹہ گھر کے سامنے کھڑی تھی۔ گردن اٹھائے خالی خالی نظروں سے گھڑیال کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی سوئیاں رات گہری ہونے کا اشارہ کر رہی تھیں۔ اس دنیا میں واپس آنے کے ارادے نے اسے کتنا نے خوف بنا دیا تھا۔ مرسل نے اس بچے کو مارا تھا' تالیہ نے نہیں۔ خود کو یہ یقین دلا کے وہ مرسل شاہ کو ڈرانے گئی تھی۔ اور یہ سب اس کی توقع سے زیادہ آسانی سے ہو گیا تھا۔ یا شاید وہ انتہائی حد تک بے خوف ہو چکی تھی۔ اس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

ایک مراد تھا جس کے لیے وہ واپس قدیم ملاکہ گئی تھی۔ ایڈم کو دوا مل جائے گی اور وہ اپنے باپ کے ساتھ رہ لے گی۔ کے ایل کی کسی جیل میں سڑنے سے یہ بہتر تھا۔ لیکن جب اسے یہ احساس ہوا کہ مراد اور مرسل' دونوں نے مل کے اس بچے کو مارا تھا' تب سے اسے قدیم ملاکہ اجنبی لگنے لگا تھا۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ واپس کے ایل جائے گی۔ فاتح اور ایڈم اس کے لیے بہت تھے۔ وہ دونوں اس کے ساتھ ہوں گے تو اپنی دنیا کے الزامات کا سامنا کرنا آسان ہو گا۔

لیکن... گھڑیال کو دیکھتے ہوئے اس کی آنکھیں پھر سے بھیگنے لگیں..... آہستہ آہستہ اسے یقین آنے لگا.... وہ دونوں اس کے ساتھ نہیں تھے۔ وہ ان دونوں کو وقت کے اس چکر میں کھو چکی تھی۔

اب وہ کیا کرے؟ یہ دنیا بھی اپنی نہیں رہی تھی۔ اب یہاں سے وہ کہاں جائے؟

☆☆=========☆☆

بند اہارا کے محل کے کتب خانے میں دروازے کی چرچراہٹ سنائی دی تو سارے میں چھائی مقدس خاموشی ٹوٹ گئی۔ اپنے کمرے کا دروازہ کھولتا ایڈم باہر نکل رہا تھا۔ بیساکھی کے سہارے چلتا' سفید کرتے پاجامے میں ملبوس' سر پہ ٹوپی جمائے' وہ قدم اٹھا رہا تھا۔ جیسے ایک نئے دن کے آغاز کے لئے تیار ہوا ہو۔ البتہ چہرے کی نقاہت برقرار تھی۔

وہ بیساکھی سے ٹک ٹک چلتا آگے آیا تو ٹھہرا۔

کتب خانے میں عین سامنے.... کتابوں کے ایک ریک کے ساتھ.... کرسی پہ فاتح بیٹھا تھا۔ اس کی میز پہ موم بتی جل رہی تھی اور وہ ایک کاغذ پہ جھکا کچھ لکھ رہا تھا۔ اس نے سرمئی کرتے کے آستین چڑھا رکھے تھے اور شیو ہلکی بڑھی تھی۔ گویا وہ پوری رات سے ادھر تھا۔

ایڈم چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آیا۔ وہ سر جھکائے لکیریں کھینچ رہا تھا۔ ایڈم کھنکھارا۔ ''سر؟''

''تمہیں لگتا ہے میں نے تمہاری بیساکھی کی آواز نہیں سنی؟'' اس نے سر اٹھائے بغیر کہا۔

''اوہ۔ شاید جن چیزوں کی عادت ہو جائے' ان کی موجودگی کا احساس کم ہو جاتا ہے۔'' اس نے کرسی کھینچی' بیساکھی رکھی اور فاتح کے مقابل بیٹھا۔ ''آپ کو کون سا کام اتنا مصروف رکھے ہوئے ہے؟''

وان فاتح نے نظریں اٹھائیں۔ پھر مسکرایا۔ مسکرانے سے اس کی آنکھوں کے گرد لکیریں نظر آتی تھیں۔ چہرے پہ تکان تھی مگر لگتا تھا اس کی ہمت نہیں ٹوٹی۔

''میں ہم تینوں کو بحفاظت یہاں سے نکالنے کا لائحہ عمل ترتیب دے رہا ہوں۔''

''آپ کو واقعی لگتا ہے ہم یہاں سے نکل سکیں گے؟'' ایڈم بے یقین سا لگتا تھا۔

نیم اندھیر کتب خانے کی ساری کتابیں چونک کے ان کی طرف متوجہ ہوئیں۔

''اس دنیا میں معجزے نہیں ہوتے' ایڈم۔ یہاں cause اور ایکشن کا قانون رائج ہے۔ کچھ پانا ہے تو اس کے لئے کچھ کرنا تو پڑے گا۔''

''مجھے بھی کرنا چاہیے تھا مگر میں جلدی ہمت ہار جانے والوں میں سے ہوں۔''

''تم نے کیا تو ہے۔ بہت کچھ۔ تم اسٹار رپورٹر بن چکے ہو۔'' (تصحیح کی)۔ ''بن چکے تھے۔ ہماری دنیا میں۔''

''میں کیریئر کی بات نہیں کر رہا۔'' ایڈم نے ٹوپی اتار کے میز پہ رکھی تو اس کے بال نظر آنے لگے۔ وہ کہیں کہیں سے جھڑ گئے تھے۔ اور کہیں سے سفید ہو رہے تھے۔

''پھر؟'' وہ چونکا۔ ایڈم اب قطار در قطار پڑے ریکس کو دیکھ رہا تھا۔

اس کو نہیں معلوم تھا کہ دائیں طرف کی کتابیں...اور بائیں طرف کی کتابیں...اور سامنے رکھی کتابیں...اور پیچھے رکھی کتابیں.....سب اپنے اپنے سانس روکے اس کا جواب سننے کی منتظر تھیں۔

''مجھے کسی کو بتانا چاہیے تھا کہ میرا دل ملاکہ میں کیوں خالی ہو گیا تھا۔ مگر میں ہمت نہیں کر سکا۔''

فاتح کے لکھتے ہاتھ رک گئے۔ چند لمحے تک اس نے چہرہ نہیں اٹھایا۔

''ہاں۔ تمہیں بتانا چاہیے تھا۔'' اس کے جواب پہ ایڈم چونکا۔

کتابوں نے بھی ٹھٹک کے نظروں کا رخ فاتح کی طرف موڑا جو سادگی سے کہہ رہا تھا۔

''ہم جس کے بارے میں جو محسوس کرتے ہیں' اس کا احساس سامنے والے کو دلانا چاہیے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ cause کے بغیر کوئی ایکشن وجود میں نہیں آتا۔''

میز پہ جلتی موم بتی کے شعلے سے موم کا آنسو ٹپکا اور کنارے پہ لڑھکتا گیا۔ پھر میز بوس ہوتے ہی وہیں جم گیا۔ ہمیشہ کے لئے امر۔

''آپ تو کہتے تھے یہ میری low سیلف اسٹیم ہے۔ محبت نہیں۔'' ایڈم نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

''میں غلط تھا۔ تمہارے جذبے نے وقت کا امتحان سہا اور یہ کم نہیں ہوا۔ میں اس کی قدر کرتا ہوں۔ لیکن....'' اس نے گہری سانس لی' قلم رکھا اور پیچھے ہوتے ہوئے ایڈم کو سنجیدگی سے دیکھا۔

''ہم دونوں جانتے ہیں کہ اب اس سب کا وقت گزر چکا ہے۔''

کتابوں نے اداسی سے پلکیں جھکا دیں۔ وہ ان کی باتوں کے مطلب سے آشنا تھیں۔ ان کو راز چھپانے کی عادت تھی۔

''آپ نے ان سے شادی کیوں کی تھی؟ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کیا محسوس کرتا ہوں؟'' آج وہ ساری شکایتیں کرنا چاہتا تھا۔ جانے اسے پھر موقع ملے نہ ملے۔

ریک میں سجی کتابوں نے دم سادھ لیا۔ سب کی نظریں نیم اندھیر کتب خانے کی میز کے دونوں کناروں پہ بیٹھے دو اشخاص پہ جمی تھیں۔

فاتح چند لمحے خاموش رہا۔ جیسے ایڈم کے سوال کا جواب مہذب طریقے سے دینے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو۔

''میں نے یہ سب اسے مرسل شاہ سے شادی سے بچانے کے لئے کیا تھا۔ اور ہمیں ملاکہ کی مدد چاہیے تھی۔''

''لیکن اب تو سارے جواز ختم ہو چکے ہیں۔ پھر آپ نے اس تعلق کو ختم کیوں نہیں کیا؟''

''میں نہیں کر سکتا۔'' اس نے ایڈم کو دیکھتے ہوئے سادگی سے شانے اچکائے۔ ''شاید کبھی کرنا ہی نہیں تھا۔''

ایڈم نے نڈھال انداز میں سر جھکا دیا۔ اس نے اپنی ہار تسلیم کر لی تھی۔

''اگر ہم واپس چلے گئے.....تو کیا آپ اس تعلق کو قائم رکھیں گے؟''

کتب خانے میں اتنا گہرا سناٹا چھایا تھا کہ کتابوں کے سانس لینے کی آواز تک نہ آتی تھی۔

''ایڈم.....اگر مجھے یہ تعلق ختم کرنا ہوتا تو میں اس کے ساتھ واپس کیوں آتا؟ میں اسے اپنی دنیا میں واپس لے جانے پہ زور کیوں دیتا؟''

قدیم صفحات نے گہری سانس خارج کی۔

''کیا آپ نے یہ بات چے تالیہ کو بتائی ہے؟''

''نہیں۔ کیونکہ اس نے کہا ہے وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔''

''کیا کبھی کسی عورت نے اتنی آسانی سے وہ کہا ہے جو اس کے دل میں ہوتا ہے؟''

''اسے لگتا ہے اگر وہ میرے ساتھ رہے گی تو وہ لوگوں کا سامنا نہیں کر سکے گی۔ لوگ اس کو گھر توڑنے والی اور عصرہ کی قاتل سمجھیں گے۔''

''کیا اس سے پہلے آپ دونوں نے مشکل فیصلے نہیں کیے؟'' ایڈم نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔ اس کی بات پہ فاتح چپ رہ گیا۔ کتب خانے کی کتابوں نے تمسخرانہ مسکراہٹوں کا تبادلہ کیا۔

''میں اسے نہیں چھوڑنا چاہتا لیکن مجھ سے تعلق تالیہ کے لئے مزید مشکلات لائے گا۔''

''کیا انہوں نے اس سے بڑی مشکلات نہیں دیکھ رکھیں؟''

کتابوں کی نگاہوں میں اب دلچسپی در آئی تھی۔ وہ ریکس کے درمیان سے گردن نکال نکال کے اس کا مکالمہ سن رہی تھیں۔

''تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟''

''میں چے تالیہ کی خوشی چاہتا ہوں۔'' وہ آگے ہوا اور زور دے کر کہنے لگا۔ ''میں ان کو اپنے بارے میں اس لیے نہیں بتاتا کہ اب دیر ہو چکی ہے بلکہ اس لیے کہ وہ میرے اوپر ہمیشہ آپ کو منتخب کریں گی۔ اس لیے آپ کو چاہیے کہ آپ ان کو بتائیں کہ آپ دونوں اب بھی ایک نئی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ کے ایل میں۔ ان کو واپس لے جانے کے لیے کوئی خواب تو دکھائیں۔''

''تم یہ سب دل سے کہہ رہے ہو؟''

''ایڈم بن محمد عرصہ ہوا جے تالیہ سے دستبردار ہو چکا ہے۔ایڈم شاید ان کی خوشی دیکھنے کے لیے زندہ بھی نہ رہے لیکن یہ خیال کہ وہ خوش ہیں'ایڈم کے لیے کافی ہوگا۔''

پھر وہ بیساکھی کے سہارے اٹھا اور کرسی پیچھے دھکیلی۔فاتح نے نظریں اٹھا کے اسے دیکھا۔

''آئی ایم سوری۔''جانے اس نے کس چیز کے لئے افسوس کیا تھا۔

''مجھے نہیں لگتا وان فاتح کہ میں واپس جا سکوں گا۔مجھے نہیں لگتا کہ مراد راجہ کی دوا سے میں ٹھیک ہو سکوں گا۔لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ دونوں واپس ضرور جائیں اور ایک اچھی زندگی گزاریں۔''

''ہم تینوں واپس جائیں گے'ایڈم۔''اس نے زور دے کر کہا۔''اور مراد راجہ کی دوا ضرور اثر کرے گی۔''

''مجھے کوئی دوا نہیں بچا سکتی۔''ایڈم نے تمسخرانہ نظروں سے اسے دیکھا۔''کیونکہ آپ نے مجھے سکھایا تھا کہ جو ہمیں خود کرنا آتا ہے صرف وہی ہماری جان بچاتا ہے۔''

''اور تمہیں کیا کرنا آتا ہے؟''

وہ سوگواریت سے مسکرایا۔''مجھے کتابیں پڑھنی آتی ہیں۔''پھر گردن موڑ کے خاموش رکھے ریکس کو دیکھا۔''اور وہ ابھی مجھے بلا رہی ہیں۔''

''کیا؟''فاتح نے تعجب سے ابرو اٹھایا۔

''کیوں؟آپ کو لگا یہ کتابیں مردہ ہیں؟اونہوں۔''وہ مسکرایا۔

''یہ جیتی جاگتی'سانس لیتی کتابیں ہیں۔ورنہ مردہ چیز سے کوئی کیسے جینے کا راستہ سیکھ سکتا ہے۔جب میں سوتا ہوں....ساتھ والے کمرے میں....تو مجھے لگتا ہے یہ مجھے آواز دے کر بلا رہی ہیں۔مجھے لگتا ہے ان کو بھی مجھ سے اتنی ہی محبت ہے جتنی مجھے ان سے۔''

''ایڈم....''فاتح نے تاسف سے اسے دیکھا۔

''نہیں سر۔میں نے اتنے دن ضائع کیے ہیں۔میں اتنے دن کتابیں نہیں پڑھ سکا۔اگر یہ میری زندگی کے آخری دن ہیں تو میں انہیں کتابوں کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں۔میں نے شاہی مورخ کے عہدے سے آج صبح استعفیٰ دے دیا ہے۔''وہ مڑا اور بیساکھی کے سہارے چلتا ہوا شمالی کونے کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں پڑے ریک اندھیرے میں ڈوبے تھے۔فاتح نے ترحم سے اسے جاتے دیکھا۔

وہ بیماری کے باعث چیزیں تصور کرنے لگا تھا۔یقیناً ایسا ہی تھا ورنہ کتابیں کہاں کسی کو آواز دے سکتی ہیں۔

جواب میں کتابوں نے اسے اسی ترحم سے دیکھا اور پھر ان سب کی نظریں ایڈم کی طرف متوجہ ہوئیں۔

وہ ان کی طرف آ رہا تھا۔ کتب خانے کی ساری کتابوں کے چہروں پہ مسرت آن ٹھہری۔ اتنے دن سے وہ اسے بلا رہی تھیں۔ بالآخر وہ ان کی سن چکا تھا۔

ویسے تو ان کے پاس اپنے ہر پڑھنے والے کے لئے کچھ خاص ہوتا تھا۔ اس کے دل کو ڈھارس دینے 'یا اس کے علم میں اضافہ کرنے کے لئے..... لیکن ایڈم بن محمد کے لئے ان کے پاس کچھ اور بھی تھا۔

☆☆=========☆☆

یہ چوتھی صبح تھی جب مرسل شاہ نے محل کی حفاظت بڑھا دی تھی۔ سینکڑوں پہرے دار دروازوں پہ پہرہ دے رہے تھے۔ اس کی خواب گاہ کی کھڑکیوں کے آگے لوہے کی سلاخیں لگائی گئی تھیں۔ غرض کوئی چڑیا کا بچہ بھی وہاں پر نہیں مار سکتا تھا۔

آدھی رات تک مرسل کو خوف کے مارے نیند نہ آتی تھی۔ وہ خنجر تکیے تلے رکھ کے سوتا تھا۔ کمرے میں مسلسل دو پہرے دار اس کے اوپر پہرہ دیتے تھے۔ کبھی وہ وحشت کے مارے ان کو نکال دیتا۔ کبھی واپس بلا لیتا۔

ساری رات وہ کروٹیں بدلتا۔ فجر کے قریب نیند آتی۔

اور پھر صبح میں جب وہ جاگتا تو محسوس ہوتا کہ اس کی گردن پہ کچھ رکھا ہے۔ وہ چونک کے اسے جھاڑتا تو بالوں کی ایک تازہ کٹی ہوئی لٹ سینے سے نیچے فرش پہ گرتی۔ وہ تیزی سے آئینے میں اپنے بالوں کا جائزہ لیتا۔ ہر روز ایک نئی جگہ سے بال کٹے ہوتے تھے۔

یعنی گزشتہ رات وہ پھر آئی تھی؟ اس کا خنجر ایک دفعہ پھر مرسل شاہ کی گردن کے اتنا قریب تھا؟ وہ ہر رات کیسے اس کے محل میں پہنچ جاتی تھی؟ یہ خیال اس کے سارے جسم پہ کپکپی طاری کر دیتا۔

آج صبح وہ محل کے سبزہ زار میں فوارے کے کنارے کھڑا تھا۔ اس نے ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے۔ شاہی قبا پہن رکھی تھی۔ سر کی پگڑی سے سونے کی تاروں سے بنی لڑیاں نیچے گرتی کندھے تک آتی تھیں۔

وہ خاموش نظروں سے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ گھنے درختوں کے باعث فوارے کے حوض کا پانی سبز نظر آتا تھا۔

اس کے دو خاص مشیر عقب میں کھڑے تھے۔ وہ سب کسی کے منتظر تھے۔ پھر انتظار ختم ہوا اور دو سپاہیوں کی معیت میں ایک آدمی آگے آیا۔

''آقا... مورخ آ چکا ہے۔''

مرسل شاہ دھیرے سے مڑا اور سامنے کھڑے نوجوان کو تنقیدی نظروں سے دیکھا۔ وہ سادہ پوشاک پہنے ہوئے تھا اور

کندھے پہ ایک تھیلا تھا۔

''یہ آدم بن محمد تو نہیں ہے۔'' مرسل نے سوالیہ نظروں سے مشیر کو دیکھا۔

''آقا... آدم بن محمد نے کل استعفیٰ دے دیا ہے۔ اس کی حالت بہت خراب ہے۔ شاید ہی دو چار روز جی پائے۔ شہزادی تاشہ نے بھی اس کے لئے رحم کی درخواست کی ہے۔ اس مورخ کو بھی شہزادی نے ہی تلاشا ہے اور یہاں بھیجا ہے۔''

تاشہ کے ذکر پہ مرسل کے تاثرات بدلے۔ جبڑے بھینچ گئے۔ مگر اس نے بس ہوں پہ اکتفا کیا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم اس کو اپنا مورخ تعینات کرنے کی اجازت دیتے ہیں۔''

''شکریہ آقا۔'' نوجوان نے سر جھکا کے کہا۔ پھر سیدھا ہوا اور گلہ آمیز انداز میں کہنا شروع کیا۔ ''آقا... وہ آدم بن محمد دراصل ایک چور ہے۔ اس نے میرا تھیلا چرایا تھا ایک سرائے میں۔ اور یہ بنگارایا ملایو میری کتاب کا نام تھا جو اس نے نقل کر کے...''

مرسل نے اکتا کے ہاتھ اٹھایا۔

''تمہیں یہاں اپنے مسئلے سلجھانے نہیں بلایا میں نے۔ تم وہ لکھو جس کا حکم میں دے رہا ہوں۔ شکل کیا دیکھ رہے ہو؟ لکھنا شروع کرو۔'' اسے اشارہ کیا۔ عبداللہ بن ابوبکر نے گڑبڑا کے ادھر ادھر دیکھا۔ پھر جلدی سے سر ہلا دیا۔

''جو بتا رہا ہوں اسے خوب سن لو اور سمجھ لو۔ آج تم کتاب میں ان صفحات کا اضافہ کرو گے۔ اور ظہر سے پہلے اسے دربار میں پڑھ کے سناؤ گے۔ دربار میں پڑھی کتاب سارے ملاکہ میں پھیل جاتی ہے۔''

مرسل نے واپس رخ فوارے کی طرف موڑ لیا۔ کمر پہ ہاتھ باندھے وہ پانی کے اچھلتے قطروں کو دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

''لکھو کہ شہزادی کی آخری شرط پوری کرنے کے لئے مرسل شاہ نے خود اپنی جان لینے کی کوشش کی۔''

مورخ نے چونک کے سلطان کی پشت کو دیکھا۔ البتہ مشیر اور سپاہی نہیں چونکے۔ وہ سر جھکائے سپاٹ کھڑے رہے۔ سچ وہی ہوتا تھا جو سلطان کے منہ سے نکلتا تھا۔

''مگر جب وہ خنجر سے اپنی کلائی کاٹنے لگا تو شہزادی تاشہ اس کے کمرے میں آئی اور.....''

''گستاخی معاف آقا... شہزادی تاشہ کیسے آئیں؟ بنا اجازت؟'' مورخ نے بات کاٹی تو مرسل کے ماتھے پہ بل پڑے۔

''لکھ دو کہ جادو سے آئی۔'' وہ گرجا۔ ''اور اس نے کہا کہ اس نے یہ ناممکن شرط اس لئے رکھی تھی تاکہ سلطان انکار کر دے۔ یہ شادی ناممکن ہے۔ یوں اس نے سلطان کی جان بچالی اور اسے خودکشی سے روک دیا۔ سلطان نے تاشہ کو آزاد کر دیا۔ اور اب ان دونوں کے راستے الگ ہیں۔''

سلطان نے گہری سانس لی۔ مورخ تیزی سے کاغذ پہ اہم نقاط نوٹ کر رہا تھا۔ بار بار جھک کے درخت کے کنارے رکھی دوات میں قلم بھی ڈبوتا تھا۔

''مگر آقا....وہ آپ کے کمرے میں جادو کے ذریعے آئی؟'' اس کی سوئی وہیں اٹکی تھی۔ جادو سلطنت میں ممنوع تھا۔ اور سلطان مرسل جادوگروں کے کتنا خلاف تھا' سب جانتے تھے۔ پھر جادو کے لئے اس نے تاشہ کو کیسے معاف کر دیا؟

مرسل ضبط سے پلٹا اور چبا چبا کے بولا۔ ''وہ کالے علم والی جادوگرنی کی طرح نہیں.... بلکہ کسی.... کسی نورانی علم والی ساحرہ کی طرح آئی تھی۔''

مورخ کی آنکھیں چمکیں۔ ''پسونا.... ایسی ساحرہ جس کا جادو خدا کا بخشا ہوتا ہے۔''

''ہاں ہاں یہی لکھ دو۔ اور شکل گم کرو۔''

(تاشہ پسونا۔ واہ۔ ایسے لقب پہ شہزادی اس کو انعام و اکرام سے ضرور نوازے گی۔) مورخ جلدی جلدی چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس نے شکل گم کر لی تو مرسل نے ہاتھ جھلا کے سب کو وہاں سے بھیج دیا۔ خود ایک دفعہ پھر وہ پانی کو دیکھنے لگا۔ مشیر خاصا بھی تک وہاں کھڑا تھا۔ وہ دھیرے سے گویا ہوا۔

''آقا.... آپ ناخوش لگ رہے ہیں۔''

''کیونکہ میں ناخوش ہوں۔'' وہ برہمی سے بولا۔

''تو آپ نے شہزادی کو سزا کیوں نہیں دی؟ ان سے ہنسی خوشی علیحدگی کیوں اختیار کر لی؟''

مرسل نے عجیب سی نظروں سے مشیر کو دیکھا۔ ''تاکہ شک خود پہ آنے دوں؟''

''کس شے کا شک؟''

''تمہیں کیا لگتا ہے.... ایک عورت مجھے یوں انکار کرے گی اور میں اسے جانے دوں گا؟ اونہوں۔''

مشیر کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہر دوڑ گئی۔ ''آپ چاہتے ہیں کہ شہزادی تاشہ کو....''

''اس کو بھی اسی بچے کے پاس بھیج دو جس کے مرنے کا اسے بہت غم ہے۔ مگر کسی کو ہم پہ شک نہیں ہونا چاہیے۔''

وہ سرد انداز میں کہہ رہا تھا۔ مشیر نے تعظیماً سر جھکایا۔ پھر دھیرے سے بولا۔

''جو حکم' آقا۔'' پھر وہ ہچکچایا۔ ''میں نے سنا ہے کہ آج کل شہزادی زیادہ وقت بندا ہارا کے غیر ملکی مشیر کے ساتھ گزارتی ہیں۔''

مرسل بری طرح چونکا۔ ''کون ہے وہ؟''

''وہی سیاہ قبا والا جو اس دن دربار میں بولا تھا...آپ کے سامنے۔ جو آج کل ہر جگہ بنداہارا کے ساتھ نظر آتا ہے۔''

''ہوں۔اس پہ نظر رکھو۔ مجھے دونوں کے پل پل کی خبر چاہیے۔''

مرسل کی سرد آنکھوں میں انتقام کے شعلے جلنے لگے تھے۔

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ کے بازار میں معمول کی رونق اور چہل پہل تھی۔ بازار میں ایک جگہ چائے کے ڈھابے پہ مراد راجہ عوام کے درمیان بیٹھا ان کے مسائل سن رہا تھا۔ وہ عام لوگوں کے ساتھ خوش نظر آتا تھا۔اس کے مداحوں کی تعداد بڑھ گئی تھی۔ لوگ اس سے گلہ کر رہے تھے کہ کیسے سلطان کے سپاہیوں نے سونے کے پل کی تعمیر اور مچھر وغیرہ اکٹھے کرنے میں ساری دولت برباد کر دی تھی۔

وہاں سب کو سلطان سے شکوے تھے۔کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ شرائط تاشہ نے رکھی تھیں۔ جب سے یہ خبر پھیلی کہ سلطان اور تاشہ کے راستے الگ ہیں کیونکہ تاشہ نے یہ شرائط اس لیے رکھی تھیں تاکہ سلطان خود عقل کرے اور انکار کر دے تو سلطان مزید بے وقوف نظر آنے لگا تھا۔ اور تاشہ معتبر۔اس نے سلطان کے ہاتھوں ملاکہ کے عوام کی دولت مزید ضائع ہونے سے بچالی تھی۔وہ تاشہ پسونا کہلوائی جانے لگی تھی۔

اس وقت جب مراد لوگوں کے مسئلے سن رہا تھا' بنداہارا کے محل کے تہہ خانے میں الاؤ جل رہا تھا۔اس پہ ایک کڑاہی رکھی تھی جس میں کچھ پک رہا تھا۔ دھواں اوپر اٹھتا اور روشن دان سے باہر نکل جاتا۔ کمرے میں چند ایک موم بتیاں جلی تھیں۔ تالیہ بڑی سی ڈوئی کو کڑاہی میں چلا رہی تھی۔اور اس اٹھتی بدبو سے منہ کے برے برے زاویے بناتی تھی۔

''آپ رہنے دیں' میں کر لوں گا۔آخر یہ میری دوا ہے۔'' ایڈم بیساکھی کے سہارے چلتا قریب آیا تو وہ پلٹی۔

''اتنا تو میں کر سکتی ہوں تمہارے لیے۔'' پھر اس نے میز پہ رکھے نسخے سے کچھ پڑھا۔اور ایک پیالے میں موجود شے کڑاہی میں انڈیل دی۔ مائع کا رنگ بدلنے لگا۔

''ہم باری باری کر لیں گے۔ابھی بہت دن لگیں گے' بچے تالیہ۔''

تالیہ نے گہری سانس لی اور ایک کرسی کھینچ کے الاؤ کے قریب لائی۔ایڈم اس پہ بیٹھ گیا تو اس نے ایڈم کو ڈوئی تھما دی۔

''تم اس دوا کو پینے سے بالکل ٹھیک ہو جاؤ گے' ایڈم۔'' اس نے تسلی دی تھی۔

ایڈم زخمی سا مسکرایا۔''ہاں۔یہ میری واحد امید ہے۔''

''میں چلتی ہوں۔ مجھے کچھ اور کام کرنے ہیں۔'' وہ ہاتھ پونچھتی دروازے کی طرف بڑھی۔تو ایڈم نے پکارا۔

''اگر میں واپس نہ جا سکا.. تو میری ایک بات مانیں گی؟''

وہ دروازے کے قریب ٹھہر گئی۔ پھر دھیرے سے مڑی اور شکایتی نظروں سے ایڈم کو دیکھا۔ ''ایسے مت کہو۔''

''اگر میں واپس نہ جا سکا...'' اس نے دہرایا... ''تو آپ دان فاتح کو مجبور کیجیے گا کہ وہ اپنا استعفیٰ واپس لے لیں۔ اور اپنے خوابوں سے دستبردار نہ ہوں۔''

''اب کیا فائدہ؟ وہ تو استعفیٰ دے چکے ہیں۔''

''ہم بائیس جنوری... اتوار کے روز یہاں آئے تھے۔ سوموار کی صبح ان کی سیکرٹری نے استعفیٰ جمع کروانا تھا۔ وقت وہاں ٹھہرا ہوا ہے۔ وہ واپس جاتے ہی اپنے استعفے کو خود پھاڑ سکتے ہیں۔''

تالیہ ایک دم چونکی۔ ''اوہ... یعنی ابھی تک کوئی نقصان نہیں ہوا۔ فاتح اب بھی پارٹی چیئر مین ہیں۔''

''Technically speaking, yes!'' ایڈم مسکرایا۔

''اگر میں ان کو راضی کر لوں تو وہ وزیر اعظم کا الیکشن ضرور لڑیں گے۔''

وہ اتنی پر جوش تھی کہ تیزی سے باہر بھاگ گئی۔ وقت ابھی ان کے ہاتھ سے نہیں نکلا تھا۔ وہ فاتح کو اس کے خوابوں سے دستبردار ہونے سے روک سکتی تھی۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

گھڑیال کو دیکھتے ہوئے اس کے ذہن سے ایک اداس سا خیال گزرا۔

تب اسے لگا تھا وقت اس کے ہاتھ میں ہے... لیکن وقت کب کس کے ہاتھ آیا ہے؟

اس نے شاکی نظروں سے گھڑی کی سوئیوں کو دیکھا... اور پھر آگے بڑھ گئی... وہ ایک دفعہ پھر سے بازار کی رونق کی طرف جا رہی تھی۔ کوئی بھی چیز اسے یقین نہیں دلا پا رہی تھی کہ جو اس کے ساتھ ہوا وہ حقیقت تھی۔ اسے اب بھی لگ رہا تھا کہ وہ ایک خواب ہے۔ شاید بازار کی آوازیں اس کو جگا دیں۔ اور سب پہلے جیسا ہو جائے۔ وہ دونوں اس کو واپس مل جائیں۔

کتنی خوش تھی وہ اس دن جب اسے احساس ہوا تھا کہ وہ فاتح کو استعفیٰ دینے سے روک سکتی تھی۔ جب سے اس نے استعفے کے بارے میں سنا تھا' اس کا دل بوجھل تھا۔ فاتح اپنے خوابوں کو کیسے چھوڑ سکتا تھا؟ لیکن اس روز تہہ خانے میں ایڈم نے اسے امید دلائی تھی۔ وہ اس امید کا تعاقب کرتی فاتح کے پیچھے بازار تک گئی تھی۔

اس کا ذہن پھر سے قدیم ملاکہ کی طرف جانے لگا۔

☆☆=========☆☆

قدیم ملاکہ کا بازار معمول کی رونق سے معمور تھا۔

مراد راجا اپنے 'عوام' میں گھرا باتوں میں مصروف تھا اور وان فاتح ایک دکان کے ساتھ کھڑا چیزیں الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا۔ سیاہ قبا پہنے' سنجیدہ تاثرات چہرے پہ سجائے وہ گاہے بگاہے نظر اٹھا کے ہجوم کی طرف بھی دیکھ لیتا۔ جب سے اس نے نکاح نامہ مراد کے حوالے کیا تھا' مراد نے چابی کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اب اسے کیا کرنا چاہیے؟ وہی جو اس نے سوچ رکھا تھا یا کچھ اور؟

پھر جیسے ہلچل سی مچی۔ دبی دبی سرگوشیاں بلند ہوئیں۔

اس نے چونک کے سر اٹھایا۔

دوسری طرف سے تالیہ چلی آ رہی تھی۔

ہجوم دوسری جانب تھا۔ اس لئے مراد یہاں متوجہ نہ ہوا۔ البتہ لوگوں نے فوراً راستہ چھوڑ دیا تھا۔

وہ مسکراتی ہوئی اس کی طرف آئی۔ سادہ لباس میں ملبوس' وہ سفید گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے تھی۔ کوئی مصاحب یا کنیزیں ساتھ نہ تھی۔ وہ اکیلی تھی پھر بھی لوگوں نے اسے پہچان لیا تھا۔

وہ اسے دیکھ کے مسکرا دیا اور اس کی طرف بڑھا۔ دونوں ایک دکان کے چھپر تلے آمنے سامنے رک گئے۔

''شہزادی!''

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی' ایک بچہ آگے آیا اور آہستہ سے مسکرا کے بولا۔ ''تاشہ پسونا۔'' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا تو وہ شرما کے دکان میں واپس بھاگ گیا۔ وہ مسکرا دی اور بے نیازی سے کندھے اچکائے۔

''مرسل شاہ نے مجھے مزید پاپولر بنا دیا ہے۔'' انگریزی میں بولی تو وہ بھی مسکرایا۔

''حالانکہ یہاں نہ انٹرنیٹ ہے نہ ٹی وی مگر خبر کتنی جلدی پھیلتی ہے۔''

تالیہ نے گردن دائیں بائیں گھمائی اور اس قدیم طرز کے بازار کو دیکھا۔

''شاید اسی لئے یہاں سکون ہے۔''

''سکون تو کہیں بھی نہیں ہے' شہزادی۔ ہر دور کے اپنے مسئلے ہوتے ہیں۔ بس شور کم ہے۔'' ساتھ ہی فاتح نے ایک محتاط نظر دور موجود ہجوم پہ ڈالی۔ مراد راجہ چائے پیتا' باتیں کرتا مصروف نظر آ رہا تھا۔

''تم نے بتایا نہیں کہ مرسل شاہ نے شادی سے انکار کیسے کیا؟''

''تالیہ کے پلانز ہیں' تالیہ کی مرضی۔'' اس نے مسکراہٹ دبا کے شانے اچکائے۔ ''میں نے اس کے ایک پہریدار کو خرید لیا تھا۔ وہ ہر رات اس کے بال کاٹ دیتا تھا۔ مرسل سمجھا میں وہاں آتی ہوں۔ وہ ڈر گیا۔ یہ کام آسان تھا ویسے۔ مجھے آپ سے شادی کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔'' آخر میں چوٹ کی جسے وہ نظر انداز کر گیا۔

''یعنی یہ طے ہے کہ وہ جھوٹے صفحات ایڈم نے نہیں لکھے تھے۔ بلکہ نئے مورخ سے لکھوائے گئے تھے۔''

ارد گرد سے گزرتے چند لوگ تالیہ کو مسکرا کے دیکھتے گزر رہے تھے۔ ان کی رحم دل شہزادی جب بھی بازار سے گزرتی تھی' کسی کو کچھ دے کر ہی جاتی تھی۔

''اس قلعے کے بارے میں کچھ معلوم ہوا؟''

''نہیں۔'' فاتح نے افسوس سے سر ہلایا۔ ''بہت کوشش کی مگر کوئی نہیں جانتا وہ کس کا ہے۔ کسی سرکاری دفتر میں اس زمین کی تفویض کا کاغذ تک نہیں ہے۔''

''آپ مجھے اس قلعے میں لے جائیں۔''

''تمہیں؟'' وہ حیران ہوا۔

''ہاں۔ میں اس کو دیکھنا چاہتی ہوں۔ شاید دو دماغ زیادہ بہتر کھوج لگا سکیں۔''

فاتح نے ایک نظر مجمعے کو دیکھا' اور پھر سر اثبات میں ہلایا۔ ''میں اپنا گھوڑا لاتا ہوں۔''

چند ثانیے بعد وہ دونوں آگے پیچھے وہاں سے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔ مراد راجہ بظاہر لوگوں سے محوِ گفتگو تھا مگر نکھیوں سے اسے سارا منظر بخوبی دکھائی دے رہا تھا اور اس کے چہرے پہ پھیلتی ناپسندیدگی واضح تھی۔

☆☆=========☆☆

چند میل کا یہ فاصلہ آج جلد طے ہو گیا تھا۔ سارا راستہ وہ خاموش رہے تھے۔ سوائے کسی ضروری بات کے ان کے درمیان الفاظ کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

سرسبز ٹیلوں کے درمیان دور سے وہ قلعہ دکھائی دینے لگا تو تالیہ نے اپنا گھوڑا روکا' اور نیچے اتری۔

''پیدل چلتے ہیں۔'' وہ اس سے بات کرنے کا موقع تلاش کر رہی تھی۔ اور کم از کم اس ویران قلعے میں وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''تمہیں کچھ کہنا ہے۔'' وہ چند ثانیے بعد خود ہی بول اٹھا۔ وہ دونوں اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں تھامے' ساتھ ساتھ روش پہ چل رہے تھے۔

''کیا آپ وہ سن سکتے ہیں جو مجھے کہنا ہے؟'' اس نے پونی ہاتھ سے کھینچ اتاری تو سیاہ بال آزاد ہو گئے اور ہوا سے پیچھے کو اڑنے لگے۔

''تم واپس نہیں جانا چاہتیں؟'' سر سبز اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان بنی خاکی روش پہ وہ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔

''ظاہر ہے میں جانا چاہتی ہوں۔'' وہ برا مان گئی۔ ''لیکن آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''میں نے کہا نا' میں تمہیں اس الزام سے بچا لوں گا۔ میں ایک وکیل بھی ہوں۔ تمہارا کیس لڑوں گا۔''

''اور خود کو بچانے کے لئے کیا کریں گے؟''

وہ چونکا۔ پھر رک گیا۔ لگام چھوڑ دی اور اس کی طرف پورا مڑ گیا۔

''میرے اوپر صرف اثاثے چھپانے کا الزام تھا۔ میں نے اخلاقی جواز پہ استعفیٰ دیا تھا۔ ملائیشیاء میں سیاستدانوں کا اثاثے چھپانا قانوناً نہیں' اخلاقاً جرم ہے۔ مجھے کوئی گرفتار نہیں کر سکتا۔ پھر مجھے کیوں خود کو بچانا ہوگا؟''

''آپ کا استعفیٰ ابھی تک کارمن کے پاس ہے۔ اس نے جمع نہیں کروایا۔''

وان فاتح رامزل کے تاثرات ایک دم سخت ہو گئے۔ ''تم چاہتی ہو کہ میں استعفیٰ واپس لے لوں؟''

''میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے خوابوں سے دستبردار نہ ہوں۔''

فاتح نے سر جھکا اور آگے بڑھ گیا۔

روش سامنے قلعے تک ختم ہوتی تھی۔ شام کی ٹھنڈی چھایا سارے پہ پھیلی تھی۔ دور دور تک سبزہ اور درمیان میں یہ پراسرار قلعہ.... بے حد حسین منظر تھا۔ وہ تیزی سے اس کے پیچھے آئی۔

''آپ کا جرم اتنا بڑا نہیں تھا۔''

''میں نے دعویٰ کیا تھا.... کہ اثاثے نہیں چھپاؤں گا پھر بھی بے پرواہی میں' میں اس اخلاقی جرم کا مرتکب ہوا ہوں۔''

''ہم سب زندگی میں بڑی بڑی باتیں کہتے ہیں۔ مگر ہم سب ان کو پورا نہیں کر سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ خود کو سزا دیں۔''

''مگر میں باقی لوگوں جیسا نہیں تھا۔ میں لیڈر تھا۔ میں اب اس کرسی کا اہل نہیں رہا۔''

''آپ صرف معذرت بھی تو کر سکتے ہیں۔ قوم سے معافی مانگ لیں۔ اور بس۔''

''بغیر استعفیٰ کے معذرت کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہوتی۔'' وہ تیز تیز چلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''کیا آپ کے بعد آنے والے آپ سے بہتر ہیں؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں فاتح کہ وہ آپ سے بہتر ہیں تو آپ کا استعفیٰ

عظمت کا ثبوت کہلائے گا۔ لیکن اگر حقیقت اس کے برعکس ہے تو آپ کا استعفیٰ بزدلی ہے۔ حقیقت سے فرار ہے۔"

وہ ٹھہر گیا اور گردن موڑ کے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"جس وقت لوگوں کو آپ کی ضرورت تھی' آپ نے ان کو چھوڑ دیا اور ملک کو نا خلف جانشینوں کے حوالے کر دیا۔ مرسل شاہ جیسے لوگ پردھان منتری بن جائیں گے۔ کیا آپ اس بوجھ کے ساتھ زندگی گزار سکیں گے؟"

بولتے بولتے اس کا سانس پھول گیا۔ پھر وہ قلعے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کا سفید گھوڑا پیروی میں پیچھے چلنے لگا جبکہ فاتح کا گھوڑا گھاس میں ادھر ادھر منہ مارنے لگا تھا۔

قلعہ پراسرار اور ویران ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی تھا۔ اس کی دیواریں اونچی تھیں۔ سرمئی پتھروں اور لکڑیوں کی بنی دیواریں۔ صحن کے احاطے میں جنگلی گھاس پھوس اُگا تھا مگر وہ بہت بڑا نہ تھا۔ ایک طرف لکڑی جلانے کا سامان رکھا تھا اور وسط میں جلی بجھی لکڑیوں کی سیاہی بتاتی تھی کہ یہاں الاؤ جلایا گیا تھا۔

تالیہ نے اپنے گھوڑے کی لگام احاطے کے کونے میں باندھی اور خود اطراف کا جائزہ لیتی آگے بڑھنے لگی۔

"تو تم یہاں قلعہ دیکھنے نہیں آئی تھیں؟ تم مجھ سے یہ بات کرنے آئی تھیں؟" وہ چوکھٹ پہ کھڑا غور سے اسے دیکھ رہا تھا۔

شہزادی نے پلٹ کے اسے دیکھا اور مسکرا کے پلکیں جھپکائیں۔

"بات کرنے کے لئے اتنی پرسکون جگہ اور کہاں ملے گی فاتح صاحب؟" اس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک تھی۔

"شاید یہی وہ معمہ تھا۔" وہ چونک کے بولا۔ "یہ بات کرنے کے لئے بہترین جگہ ہے۔ خفیہ باتوں کے لئے....." اس کی نظریں گھاس پہ ایک جگہ جلی ہوئی لکڑیوں پہ پڑیں۔ "ایک آدمی خود اپنے لئے اتنا بڑا الاؤ نہیں جلاتا۔ یہاں ایک سے زیادہ لوگ بیٹھتے ہوں گے۔"

"یعنی.....سن باؤ یہاں کسی سے ملتا تھا۔ اس کا کوئی خفیہ گروہ تھا۔"

وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا گھاس کو غور سے دیکھتا آگے بڑھ رہا تھا۔ "کوئی ایسا خفیہ گروہ جو سلطان سے چھپا ہوا ہو اور اس کے آشکار ہونے سے سن باؤ ڈرتا ہو۔ مگر یہ قلعہ..... یہ کس کا ہے؟" وہ پنجوں کے بل زمین پہ بیٹھا اور جلی ہوئی لکڑیوں کو آگے پیچھے کیا۔

"یہ سن باؤ کا گھر ہے۔" وہ جس انداز میں بولی' وہ چونکا۔ گردن اٹھا کے دیکھا تو وہ ایک دیوار کے کونے میں کھڑی تھی۔ فاتح کی طرف پشت تھی اور دیوار پہ ہاتھ سے کچھ ٹٹول رہی تھی۔ اس کی آواز میں حیرت تھی۔

"یہ وہی دیوار ہے جو میں نے خواب میں دیکھی تھی۔ اس پہ تاشہ کے بارے میں ایک نظم لکھی تھی۔ مگر....." وہ تعجب سے پلٹی

اور خالی احاطے کو دیکھا۔''یہ دیوار سن باؤ کی حویلی کا حصہ تھی۔ میں نے مجسمہ دیکھا تھا اور کنواں بھی۔ یہ دونوں الگ الگ چیزیں تھیں مگر میں نے ان کو خواب میں اکٹھے دیکھا تھا جس کا مطلب ہے کہ.....''

''کہ یہ دونوں سن باؤ کی ملکیت ہیں۔''وہ ہاتھ جھاڑتے ہوئے سیدھا ہوا۔''کیا وہاں کچھ لکھا ہے؟''

تالیہ نے گردن جھکا کے غور سے دیکھا۔شام ڈوب رہی تھی' اور نیلا اندھیرا چھانے لگا تھا۔یوں معلوم ہوتا تھا دیوار پہ کچھ لکھا ہے' مگر پڑھا نہیں جا رہا تھا۔

دیا سلائی رگڑنے کی آواز آئی اور پھر وہ قریب آیا۔اس کے ساتھ کھڑے فاتح نے سلگتی ہوئی تیلی دیوار کے قریب کی۔

ایک لمحے کے لئے تالیہ نے نہیں دیکھا کہ دیوار پہ کیا تھا۔

زندگی ایک لمحے کے لئے کتنی خوبصورت تھی نا۔ وہ ہر مسئلے سے آزاد تھے۔ ساتھ تھے۔ دنیا کے شور ہنگامے سے دور...اپنے گھوڑوں کے ساتھ اس خوبصورت قلعے میں....

شعلہ پوری تیلی کو کھا گیا تو فاتح نے اسے گرا دیا۔روشنی بجھی تو وہ چونکی۔

''نہیں۔یہ نظم نہیں ہے۔یہ لکیریں ہیں۔''وہ دوسری تیلی رگڑ رہا تھا۔تالیہ نے سر جھکا اور توجہ دیوار کی طرف مرکوز کی۔ ابھی مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے۔ابھی وہ خوش نہیں ہو سکتی تھی۔

''ہر سات لکیروں کو کاٹا گیا ہے۔یہ دنوں کا حساب ہے۔ہفتوں کا۔''

''ہاں۔قدیم زمانے میں لوگ اسی طرح دن گنتے تھے۔یہ دیکھو۔آخری.....(اس نے گنا) آخری ساٹھ دنوں کے اوپر کاٹا نہیں گیا۔''

''یعنی سن باؤ اور اس کے ساتھی جو بھی پلان کر رہے ہیں' اس کے وقوع پذیر ہونے میں ساٹھ دن رہتے ہیں۔''

''شاید اس سے کم۔ کیونکہ ہمارے چھاپے کے بعد سن باؤ ادھر نہیں آیا اور جتنے دن گزرے وہ اس نے نہیں کاٹے۔اب سوال یہ ہے کہ سن باؤ کے ساتھی کون ہیں اور وہ کیا پلان کر رہے ہیں؟''

وہ مڑ گیا اور لکڑیوں کی طرف آیا۔پھر جھک کے انہیں اٹھانے لگا۔

''آپ کیا کر رہے ہیں؟''

''آگ جلا رہا ہوں۔کیا تمہیں اندھیرے میں بیٹھنا ہے؟''اس کی غائب دماغی پہ اسے ٹوکا تو اس نے خفت سے سر جھکا۔

''اب آپ سن باؤ کے خلاف کیا کریں گے؟''

قلعے کے احاطے میں الاؤ جل رہا تھا اور وہ دونوں پتھروں پہ اس کے گرد بیٹھے تھے۔ رات پوری طرح پھیل چکی تھی۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے مشعلیں لئے اندر گئے تھے اور کھنڈر کمروں کا جائزہ لیا تھا۔ وہ ان چھوئے لگتے تھے۔ گویا سن باؤ کے ساتھی صرف احاطہ استعمال کرتے تھے۔

''مجھے معلوم ہے مجھے سن باؤ کا کیا کرنا ہے۔'' وہ اب مطمئن تھا جیسے اسے معلوم ہو وہ سن باؤ کو کیسے استعمال کر سکتا تھا۔

''آپ کو میرے ساتھ نہیں آنا چاہیے تھا۔'' وہ شکوہ کرتے ہوئے بولی۔

''نہیں میرا کوئی خاص کام نہیں تھا آج۔ راجہ بھی مصروف تھے سو میں آ گیا۔''

''میں وقت کے اس سفر کی بات کر رہی ہوں۔''

''مجھے معلوم ہے تم کیا بات کر رہی ہو۔''

اور پھر سے دونوں کے درمیان ایک شکوہ کناں خاموشی حائل ہوگئی۔ آگ سے لال انگارے چیخ چیخ کے اڑتے فضا میں گم ہونے لگے۔

''آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں واپس جا کے حالات کا مقابلہ کروں۔ اور خود آپ اپنے لوگوں سے فرار حاصل کر رہے ہیں۔''

''میں فرار نہیں حاصل کر رہا۔'' وہ تیزی سے بولا۔ ایسا لگتا تھا اس نقطے پہ وہ ڈسٹرب ہوتا ہے۔

تالیہ نے اپنی مسکراہٹ چھپالی۔ اسے دان فاتح کی دکھتی رگ مل گئی تھی۔

''یہ فرار ہی ہے۔ آپ اپنے لوگوں کو نااہل اور ناخلف جانشینوں کے سپرد کر کے فرار ہو چکے ہیں' دان فاتح۔'' وہ اس رگ کو مزید دبا رہی تھی۔ ''آپ نہیں ہوں گے تو اشعر وزیر اعظم بن جائے گا۔ وہ ملک کو تباہ کر دے گا۔ اس کا ذمے دار لوگ آپ کو سمجھیں گے۔''

''میں خود کو اس عہدے کا اہل نہیں سمجھتا۔''

''تو خود کو اہل بنائیں۔ مقابلے سے بھاگیں تو نہیں۔''

''میں نے بھرے مجمعے میں دعویٰ کیا تھا کہ میں نے کبھی کوئی اثاثہ نہیں چھپایا۔ میری سزا ہے کہ.....''

''ہم سب نے بہت سزا کاٹی ہے' فاتح۔ بہت بڑی سزا۔ اب ان سزاؤں کو بند ہو جانا چاہیے۔'' وہ ناگواری سے بولی۔ ''میں اپنے جرائم سے بھاگتے بھاگتے تھک چکی ہوں۔ میں واپس جاؤں گی' اس الزام کو فیس کروں گی اور آزادی حاصل کروں گی۔ آپ واپس جائیں' اس اخلاقی جرم کے بوجھ سے چھٹکارا پائیں اور اپنے مقصد کی طرف لوٹ جائیں۔ آج

کے بعد ہم میں سے کوئی اپنے خوابوں پہ سمجھوتہ نہیں کرے گا۔"

کوئی سلگتی لکڑی زور سے چٹخی۔لال انگارے اڑاڑ کے فضا میں گم ہونے لگے۔

وہ خاموش ہوگیا اور سر نیچے گرادیا۔پھر کافی دیر بعد اس نے چہرہ اٹھایا اور پوچھا۔

"کیا میرے عوام بھی تمہاری طرح سوچیں گے؟ کہ میں فرار ہو رہا ہوں؟"

اس کے چہرے سے لگتا تھا وہ ہرٹ ہوا ہے۔اس کا سوال سادہ تھا۔کسی حد تک معصوم بھی۔

اور اس لمحے تالیہ کو احساس ہوا کہ سب سے اونچی کرسی والا بھی سب کچھ نہیں جانتا ہوتا۔اسے بھی بہت سی باتیں دوسروں سے پوچھنی پڑتی ہیں۔یا شاید کوئی بھی سب کچھ نہیں جانتا ہوتا۔

"جی۔وہ یہی سوچیں گے۔" اس نے سر ہلایا۔پھر ٹھہر کے بولی۔"کیا میرے الفاظ آپ کو تکلیف دے رہے ہیں؟"

الاؤ کے پار بیٹھا فاتح مسکرایا۔

"ایک آدمی تھا.....تمہاری طرح کا.....وہ ایک تتلی کے بچے کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔" وہ کہنے لگا اور وہ دلچسپی سے وان فاتح کی ایک نئی کہانی سننے لگی۔

"تتلی کا ننھا بچہ اپنے cocoon (حفاظتی ریشمی خول) میں بند تھا۔اس نے دیکھا کہ وہ باہر نہیں آپا رہا۔اسے بہت کوشش کرنی پڑ رہی ہے..تو اس آدمی نے احتیاط سے اس 'کوکون' کو کاٹ کے کھول دیا اور تتلی کا بچہ باہر آ گیا۔اسے لگا اس نے اسے تکلیف سے بچایا ہے مگر....." اس نے افسوس بھری سانس کھینچی۔

"اس بچے کے پنکھ چھوٹے تھے اور مکمل طور پہ بن نہیں سکے تھے سو وہ جلدی مرگیا۔جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ اگر وہ کوکون سے نکلنے کے لیے خود اسٹرگل کرتا تو اس کے پروں تک خوراک پہنچتی۔وہ انہیں زور لگا کے پھیلاتا تو وہ مضبوط بنتے۔وہ اپنے زور پہ باہر آتا تو صحت مند ہوتا۔" وہ اداس مسکراہٹ سے کہہ رہا تھا۔

"ہماری پریشانیاں بھی ہمارا کوکون ہوتی ہیں۔ان سے نکلنے کے لئے تکلیف ہمیں ہی اٹھانی پڑتی ہے۔میں تمہاری باتوں کی تکلیف سے نہیں ڈرتا۔تم نے اچھا کیا مجھ سے سچ بولا۔جھوٹ بول کے 'کسی کو تکلیف سے بچا کے خود ہی اس کا کوکون کھول دینا ٹھیک نہیں ہوتا۔اس لئے اپنے دوستوں کو ان کے حصے کی تکلیف کاٹنے دینی چاہیے۔"

وہ پھیکا سا مسکرائی۔وان فاتح کے سارے فلسفے ایک طرف 'وہ جانتی تھی وہ اپنی باتوں سے اسے دکھ دے گئی ہے۔وہ اپنی طرف سے اخلاقی بنیاد پہ قربانی دے رہا تھا لیکن دنیا والے ایسی قربانیوں کی قدر نہیں کرتے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میرا وہ فیصلہ غلط تھا؟ اس کی وجہ سے میری یادداشت واپس آئی تھی۔" وہ آگ کو دیکھتے ہوئے یاد کر

کے بولا۔

''سارے کھیل وقت کے ہیں فاتح۔ اس وقت وہ درست فیصلہ تھا۔ آپ نے اس کو لینے کی جراءت کی' یہ بہت بڑی بات تھی۔ لیکن وقت نے آپ کو سوچنے کا موقع دیا۔ ہماری دنیا میں وقت آپ کے اگلے اور بہتر فیصلے کے لئے ٹھہرا ہوا ہے۔''

وہ صرف مسکرا دیا۔ نجانے راضی ہوا تھا یا نہیں۔ فی الحال کے لئے اتنا بہت تھا۔

''اگر ہمارا پلان کامیاب ہو جائے تو ہم بہت جلد واپس جا سکیں گے۔'' فاتح نے بات بدل دی۔

''کیا بابا ہمیں اتنی آسانی سے جانے دیں گے؟''

''میں ہر چیز ٹھیک کر لوں گا۔'' وہ رکا۔ ''بنگارایا ملایو کے مطابق شہزادی تاشہ کے کردار کا انجام کیا ہوا تھا؟ یاد ہے؟''

''ہوں۔'' اس نے مڑ کے اس دیوار کو دیکھا جس پہ کوئی نظم نہ لکھی تھی۔ ''سلطان نے جب شہزادی سے راستہ الگ کیا تو شہزادی کی ملاقات برونائی کے ایک جلاوطن شہزادے سے ہوئی تھی۔''

''برونائی کا ولی عہد۔ رائٹ۔'' فاتح نے یاد کر کے سر ہلایا۔

''جی۔ برونائی کے مرحوم بادشاہ کا بیٹا جو پناہ کی غرض سے ملاکہ آیا تھا۔ مراد راجہ کا مہمان بنا اور شہزادی کو دیکھتے ہی (پلکیں سادگی سے جھپکائیں اور مسکراہٹ دبائی۔) اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا۔ شہزادی کو بھی وہ پسند آ گیا سو دونوں نے شادی کر لی۔''

''واٹ اے ٹریجڈی۔'' وان فاتح نے ناگواری سے کندھے اچکائے اور گردن موڑ لی۔

''مگر تم نے کہا تھا اس دیوار کی نظم میں شہزادی کی غلام سے شادی کا تذکرہ تھا۔''

''وہ نظم بنگارایا ملایو میں نہیں ہے۔ وہ میں نے صرف خواب میں دیکھی تھی۔ بنگارایا ملایو کے مطابق شہزادی کی شادی برونائی کے ولی عہد سے ہوئی تھی۔''

فاتح نے سنجیدہ مگر ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا۔ بولا کچھ نہیں۔

''برونائی کے ولی عہد اور شہزادی تاشہ شادی کے بعد برونائی کے لیے بحری سفر پہ روانہ ہو گئے۔ راستے میں ایک روز شہزادی ایک جادوئی سوئی سے کڑھائی کر رہی تھی جب ولی عہد اس کے پاس آیا۔ شہزادی نے منع کیا کہ اس کے ہاتھ میں جادوئی سوئی ہے اس لئے وہ قریب نہ آئے مگر ولی عہد نے اسے مذاق سمجھا۔ یوں ہنسی مذاق میں ولی عہد کی پسلی میں سوئی چبھ گئی۔ اور وہ فوراً سے نیلا پڑ گیا۔ چند لمحوں میں اس کی موت واقع ہو گئی۔ شہزادی اس واقعے سے اتنی دل برداشتہ ہوئی کہ اس نے اپنی زندگی ختم کر لی۔ یوں اس بحری سفر سے وہ کبھی واپس نہیں آئی۔''

''شہزادی کو کیا ضرورت تھی جادوئی سوئی سے کڑھائی کرنے کی؟ اور غلطی سے کسی کی پسلی میں سوئی کیسے چبھ سکتی ہے؟ سو اسٹوپڈ۔''اس نے ناگواری سے سر جھٹکا۔

''ویسے اگر کسی دن آپ کو بابا نے کسی نئے مہمان سے متعارف کروایا اور کہا کہ یہ بروناٸی کا ولی عہد ہے تو آپ کیا کریں گے؟......''

''میں کہوں گا کہ یہ بہت جلد مرنے والا ہے۔اب چلو' ہمیں دیر ہو رہی ہے۔''

وہ اکتا کے کہتا اٹھا' اور لباس جھاڑا۔تالیہ کے لبوں سے مسکراہٹ جدا ہی نہیں ہو رہی تھی۔

''بھلے وہ آخر میں مر گیا ہو....لیکن بنگارایا ملایو کہتی ہے کہ شہزادی اس کی محبت میں واقعی گرفتار ہوئی تھی۔''

وہ اسے مزید برہم کرنے کے لئے کہہ رہی تھی۔مگر اندر سے وہ جانتی تھی کہ یہ ساری کہانی فرضی تھی اور یقیناً سلطان کے نئے مورخ نے لکھی تھی۔

واٹ اے ٹریجڈی۔

☆☆=========☆☆

جس وقت وہ دونوں بنداہارا کے محل میں واپس آئے' اس نے حرم کے دروازے پہ تالیہ کو الوداع کہا اور خود محل کے اس حصے کی جانب بڑھ گیا جہاں اس کا کمرہ تھا۔گھوڑا راستے میں سائیس کے حوالے کر کے وہ ابھی راہداری میں داخل ہی ہوا تھا کہ دیکھا' مراد راجہ کا ایک سپاہی سامنے سے چلا آ رہا تھا۔

''وان فاتح۔''اسے دیکھ کے وہ اطلاع دینے والے انداز میں بولا۔''صبح محل میں مقررہ وقت سے پہلے پہنچنا ہے۔''

''کوئی خاص بات ہے کیا؟''

''ہاں۔راجہ نے کہا ہے کہ کچھ مہمان آئے ہیں۔ان کا تعارف کروانا ہے آقا سے۔''پھر چہرہ قریب کیا اور سرگوشی میں بتایا۔''سنا ہے بروناٸی کا ولی عہد بھی آ رہا ہے۔''

وان فاتح کے تاثرات سپاٹ ہو گئے۔ماتھے پہ بل پڑ گئے۔

''بروناٸی کا جلاوطن شہزادہ؟''

''ہاں۔راجہ نے کہا ہے کہ سارے شہر میں خبر پھیلا دی جائے کہ بروناٸی کا جلاوطن شہزادہ ہمارے محل میں قیام کرے گا اور دربار کا حصہ ہو گا۔''

''دیکھیں گے۔'' وہ ناگواری سے کہتا آگے بڑھ گیا۔

ایک عجیب سی بے چینی نے اسے آن گھیرا تھا۔

اس نے اپنا نکاح نامہ مراد راجہ کو دے دیا تھا۔ اس کے پاس اپنے اور تالیہ کے تعلق کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ راجہ اس خوش فہمی میں تھا کہ تالیہ ہمیشہ اس کے پاس رہے گی۔ کیا اسی لئے وہ اب غیر ملکی امیر زادوں کو ملاکہ مدعو کر رہا تھا؟

☆☆=========☆☆

کال کوٹھڑی میں جڑی بوٹیوں کی عجیب سی مہک پھیلی تھی۔ نہ خوشبو تھی۔ نہ بدبو۔ بس ایسی بُو جسے پہلے چند لمحوں کے لئے برداشت کرنا مشکل لگتا۔ پھر اس کی عادت ہو جاتی۔

ایڈم بن محمد کڑاہی کے قریب بیٹھا اس میں ڈوئی ہلا رہا تھا۔ ہر چند ثانیے بعد ڈوئی ہلا کے رکھ دیتا اور گود میں رکھی کتاب کھول لیتا۔ وہ نڈھال سا لگتا تھا اور جسم پسینے میں بھیگا تھا۔

اندھیر کمرے کی ڈیوڑھی کے قریب ایک مشعل جل رہی تھی۔ اس کی روشنی مطالعے کے لئے کافی تھی۔

''کیا پڑھ رہے ہو؟'' آواز پہ وہ ڈر کے پلٹا۔ پھر گہری سانس لی۔

''قدیم ملے شاعری کی کتاب ہے۔ اور کیا آپ دستک دے کر نہیں آسکتیں؟''

مگر وہ مزے سے وہ چوکی کھینچ کے اس کے قریب بیٹھی اور دبے دبے جوش سے بتانے لگی۔

''میں نے فاتح سے بات کی ہے۔ ان کے استعفے کے بارے میں۔''

''کیا وہ اسے واپس لے لیں گے؟''

تالیہ نے انگلی تھوڑی پہ رکھ کے سوچا۔ ''شاید ہاں۔ وہ چپ ہو گئے تھے۔ یعنی وہ اس بارے میں سوچنے لگے ہیں۔ یہ پراگریس ہے۔''

''یہی ان کے لیے بہتر ہے۔ وہ اس کرسی کے اہل ہیں۔''

''اگر وہ وزیراعظم بن گئے تو کیا میں اور وہ کبھی ایک ہو سکیں گے ایڈم؟'' کڑاہی میں ابلتے مائع کو دیکھتے ہوئے وہ گم صم سے انداز میں بولی۔ ایڈم چند لمحے تک اسے دیکھتا رہا۔

''آپ نے تو ان سے کہا تھا کہ آپ ہماری دنیا میں بھی ان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں۔''

''میں تالیہ ہوں۔ کیا میں نے کبھی اتنی آسانی سے سچ بولا ہے؟'' وہ تنک کے بولی تو وہ مسکرا دیا۔

''آپ ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہیں؟ باوجود اس کے کہ دنیا والے آپ کی اس شادی کو کبھی قبول نہیں کریں گے؟''

''ہاں۔ مجھے اپنی دنیا میں واپس اس لیے جانا ہے کہ وہاں فاتح ہوں گے۔''

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ ''آپ صرف ان کے لیے واپس جانا چاہتی ہیں؟''

''میرا ان کے علاوہ وہاں اور کون ہوگا؟ مگر میں ابھی تک ان سے ہمارے تعلق کے بارے میں بات نہیں کر سکی۔ کیا کروں؟''

''آپ یہ مشورہ کسی اور سے نہیں مانگ سکتیں کیا؟'' وہ برہمی سے کہہ کے سامنے دیکھنے لگا۔

''میرے پاس تمہارے علاوہ کوئی اور ہے کیا؟'' وہ برا مان کے بولی تو ایڈم چپ ہو گیا۔

وہ بھی کیا کرتا؟ اس موضوع پہ دان فاتح سے بات کرنا جتنا تکلیف دہ تھا' تالیہ سے بات کرنا زیادہ کٹھن تھا۔ جس کو آپ پسند کریں' وہ آپ کے سامنے کسی اور کی بات کرے' کیسا اذیت ناک احساس تھا مگر اسے اپنا وقار بھی نہیں کھونا تھا۔ اس لئے ....گہری سانس لی اور تحمل سے کہا۔

''تو آپ ان سے خود کیوں نہیں پوچھ لیتیں کہ آپ ان کی زندگی میں کہاں کھڑی ہیں؟''

''میں needy اور desperate نہیں لگنا چاہتی۔ یاد کرو' میرے بابا کے ساتھ اس قدیم دنیا میں رہنے کے فیصلے کا مطلب تھا میں فاتح کو چھوڑ رہی ہوں۔''

''اور ایڈم کو بھی۔'' اس نے یاد دلایا۔ اسے ہمیشہ اپنا آپ یاد دلانا پڑتا تھا۔ مگر وہ اپنی کہہ رہی تھی۔

''اتنے دعوے کر کے اب میں ان کو کیسے کہوں کہ میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔''

''آپ میں سے کسی کو انا کی دیوار گرانی پڑے گی۔'' اس نے جھک کے ڈوئی اٹھائی اور اسے کھولتے ہوئے کاڑھے میں چلانے لگا۔

''تمہیں کیا لگتا ہے؟ وہ دنیا کے سامنے مجھے اپنی بیوی کہہ سکیں گے؟''

ایڈم نے ڈوئی چلاتے ہوئے اسے دیکھا اور اداسی سے مسکرایا۔

''وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گے۔''

''کیا واقعی؟ تو پھر وہ کبھی کچھ کہتے کیوں نہیں ہیں؟''

''پہلے تو ان کی یادداشت واپس نہیں آئی تھی۔ مگر جب انہیں یہ تعلق یاد آیا تو آپ انہیں وقت کے سفر پہ لے آئیں۔ اور اپنا فیصلہ بھی سنا دیا کہ آپ انہیں چھوڑ رہی ہیں۔ اس کے باوجود بھی اگر وہ آپ کے ساتھ آئے ہیں تو اس کا اور کیا مطلب ہے؟ وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ساتھ رہیں' چہ تالیہ۔ آپ کو ان سے کھل کے بات کرنی چاہیے۔ کھل کے بات کر لینا ہمارے اکثر مسائل سے نکلنے کا راستہ ہوتا ہے۔''

''تھینک یو'ایڈم۔میرا دل تم سے بات کر کے ہمیشہ ایسے ہی ہلکا ہو جاتا ہے۔''وہ مسکرا دی۔

''دوست اسی لیے ہوتے ہیں۔''وہ مسکرا کے کہتا'اپنی کتاب لیے اٹھ گیا۔اس کا دل پہلے سے زیادہ بوجھل ہو گیا تھا۔

تالیہ ڈیوٹی سنبھال چکی تھی۔ان دونوں نے اپنی باریاں مقرر کر رکھی تھیں اور سختی سے اس پہ کاربند تھے۔

☆☆=========☆☆

اس صبح سلطنت محل کے دربار کے دروازے کھلے تھے اور تمام شرکاء اندر کی طرف جا رہے تھے۔برآمدے میں چند افراد سلطان مرسل کے منتظر کھڑے تھے۔ان میں سے ایک مراد راجہ بھی تھا جو اپنے غیر ملکی مہمانوں کے ساتھ مصروف نظر آتا تھا۔

یہ برونائی کے چند تاجر تھے۔شاہانہ قباؤں میں ملبوس'نگینوں والی انگوٹھیاں پہنے'وہ مسکرا کے مراد کی کسی بات پہ سر ہلا رہے تھے۔وان فاتح ایک ستون کے ساتھ کھڑا اچٹتی نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا۔

ان میں سے ولی عہد کون تھا؟یہ سب ادھیڑ عمر یا عمر رسیدہ لگتے تھے۔اس نے سنا تھا کہ برونائی کے بادشاہ نے اپنے ایک بیٹے کو جلاوطن کر دیا ہے۔وہ اصل ولی عہد تھا اور گزشتہ چند ماہ سے گمنامی کی زندگی گزار رہا تھا۔کیا مراد نے اسے ملا کے بلوایا تھا؟کہیں مراد اس سے شہزادی کی شادی کا ارادہ تو نہیں رکھتا؟

یہ خیال سیاہ قبا میں ملبوس تنہا کھڑے وان فاتح کا مزاج مزید خراب کر رہا تھا۔

دفعتاً مراد نے اسے اشارے سے قریب بلایا۔فاتح سنجیدہ چہرے کے ساتھ ان کے قریب جا کھڑا ہوا۔مراد نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔بس مہمانوں سے بات کرتا رہا۔

دفعتاً نقارہ بجا۔ہٹو بچو کی صدا بلند ہوئی اور جھٹ سب قطار بنا کے کھڑے ہو گئے۔مرسل شاہ تشریف لا رہا تھا۔

ان کے قریب وہ رکا۔یہ قطار غیر معمولی تھی۔مراد نے بات کرنے کی اجازت طلب کی۔

''آقا!''تعظیم پیش کرنے کے بعد مراد نے سر اٹھایا۔''یہ میرے مہمان ہیں۔برونائی سے آئے ہیں۔مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ ان کے بارے میں سوال کر رہے ہیں'اس لیے سوچا ان کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔''

مرسل کے تاثرات بدلے۔وہ مسکرایا۔''کیا برونائی کا جلاوطن ولی عہد ہمارے ملک میں ہے؟''سرسری نگاہ اس وفد پہ ڈالی۔

''جی آقا۔یہ شمس الدین ہے'برونائی کا جلاوطن ولی عہد۔''مراد راجہ نے کہتے ہوئے ہاتھ سے وان فاتح کی طرف اشارہ کیا۔

سب کی نگاہیں اس اشارے کی سمت اٹھیں۔

فاتح رامزل اپنی جگہ سن ہو گیا۔

مرسل نے اسے دیکھا تو چہرے کے زاویے بدلے۔ ''اچھا۔ تو تمہارا مشیر بروناکی سے تعلق رکھتا ہے۔ تم نے پہلے ذکر نہیں کیا۔'' اس کی سرد آنکھیں فاتح پہ جمی تھیں۔ وہ جو چونک کے مراد کو دیکھنے لگا تھا' سنبھل کے سیدھا ہوا اور سر جھکا کے تعظیم پیش کی۔

''آپ نے سوال نہیں کیا تھا' آقا۔ ملکہ نے ویسے بھی غیر ملکی مشیروں سے کام لینے کا جو رواج ڈالا ہے' مجھے لگا اس پہ عمل کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور شمس الدین اپنی شناخت خفیہ رکھنا چاہتے تھے۔''

''ہوں۔ اچھا لگا تم سے مل کے۔''

مرسل شاہ آگے بڑھ گیا۔ دوسرے لوگ بھی اس کے ہمراہ ہو گئے۔ وہ دونوں تنہا رہ گئے تو فاتح کا ضبط جواب دے گیا۔

''آپ نے اتنا بڑا جھوٹ کیوں بولا؟'' اس کے انداز میں برہمی تھی۔

''کیونکہ اگر تم بھرے بازار میں شہزادی کے ساتھ گھومتے نظر آؤ گے تو تمہارے بارے میں سوال اٹھیں گے۔ مجھے ان کا جواب دینا تھا۔ سلطان کے کارندے بھی ٹوہ لینے لگے ہیں۔ اور کیا کہتا کہ تم کہاں سے آئے ہو؟ کسی دوسری دنیا سے؟ یہ تاجر میرے جاننے والے ہیں۔ یہ راز کو راز رکھیں گے۔''

''اور اگر اصلی ولی عہد آ گیا؟''

''کیا تم نے نہیں کہا تھا کہ سلطان مرسل چند دن کا مہمان ہے؟ چند دن کے لئے اس کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔''

فاتح نے ضبط کا تلخ گھونٹ اندر اتار لیا اور خاموش ہو گیا۔ لیکن پھر وہ دربار میں نہیں گیا۔ وہ اس وقت تازہ ہوا میں رہنا چاہتا تھا۔

وہ گھوم کے محل کے پچھلے حصے میں آ گیا۔ یہاں درختوں کے درمیان مصنوعی فوارہ ابل رہا تھا۔ وہ اس کے قریب آیا' اور جھک کے چلو بھر پانی بھرا۔ پھر اسے چہرے پہ ڈالا۔ یہ عمل کئی دفعہ دہرایا یہاں تک کہ گریبان بھیگ گیا۔

ملاکہ آنے کے بعد اور اس سے پہلے وہ مختلف قسم کے احساسات سے گزرا تھا۔ مگر یہ احساس سب سے عجیب تھا۔

(بروناکی کے ولی عہد کی موت شہزادی تاشہ کے ہاتھوں ہوئی تھی۔)

اس نے سر جھٹک کے اس خیال کو بھی جھٹکنا چاہا مگر اب یہ آسان نہ تھا۔ یہ ایسے تھا جیسے گردن کی پشت پہ کوئی بچھو دھیرے دھیرے چل رہا ہو۔

جیسے رات کو کمرے کے باہر قدموں کی چاپ مدھم آواز سنائی دیتی ہو۔

جیسے کوئی بلا تعاقب میں ہو.....

وہ آستین سے چہرہ پونچھتے ہوئے مڑا تو ٹھٹک گیا۔

سامنے سن باؤ کھڑا تھا۔ چہرے پہ طنزیہ مسکراہٹ تھی۔

''بروُنائی کا ولی عہد؟ مراد راجہ نے اچھی کہانی گھڑی ہے لیکن میں تمہاری حقیقت جانتا ہوں۔'' وہ طنز سے کہتا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ اب وہ دونوں درختوں کے درمیان آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''میں نے مراد راجہ کی چند چیزوں کی تلاشی بھی لی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پاس لوگوں کو مستقبل کے زمانے میں بھیجنے کا جادو ہے۔ تم.... تم مستقبل سے آئے ہو اور تم ہم سب کا مستقبل بھی جانتے ہو۔''

''بس؟ یہی معلوم ہوا ہے تمہیں؟ اگر تم مجھ سے مہذب انداز میں پوچھتے تو میں خود ہی بتا دیتا۔ تم نے ایسے ہی وقت ضائع کیا' سن باؤ۔'' وہ ہنس دیا تھا۔ جیسے اسے کوئی فرق نہ پڑا ہو۔ ''میں چھ سو برس بعد کے زمانے سے آیا ہوں۔''

سن باؤ کی چھوٹی آنکھیں برہمی سے مزید چھوٹی ہوئیں۔

''تم نے ملکہ کو دھمکی دی۔ پھر میرے پیچھے آئے۔ اس وقت سے ڈرو وان فاتح' جب ہم تمہارے پیچھے آئیں گے۔''

فاتح آرام سے فوارے کی منڈیر پہ بیٹھا اور سر اٹھا کے سن باؤ کو دیکھا۔ پیچھے فوارے سے آتے چھینٹے اس کی پشت پہ ٹھنڈی پھوار کی طرح برسنے لگے۔

''ہمارے زمانے میں ایک محاورہ بولا جاتا ہے' وانگ لی۔ کہ پھندا صرف تب تک پھندا ہوتا ہے جب تک آپ کو اس کے بارے میں معلوم نہ ہو۔ جب معلوم ہو جائے تو وہ پھندا نہیں رہتا۔ وہ مقابلہ بن جاتا ہے۔ مجھے مقابلے کب برے لگے ہیں؟'' مسکرا کے شانے اچکائے۔

وانگ لی نے بس طنزیہ مسکرا کے ہنکارا بھرا اور مڑ گیا۔

اس کے جاتے ہی فاتح کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوئی۔ برونائی کے ولی عہد کا انجام پھر سے یاد آنے لگا تھا۔

☆☆=========☆☆

محل کی پشت پہ حرم کا برآمدہ بنا تھا جس میں شاہانہ طرز کی کرسیاں لگی تھیں۔ ملکہ یان سو فو وہاں بیٹھی چائے پی رہی تھی۔ کنیزیں اور غلام اردگرد مستعد کھڑے تھے۔ ملکہ کا لباس گلابی تھا اور پیالی پہ بھی گلابی رنگ کے نقش و نگار بنے تھے۔ اس کا پیالی تھامنے کا انداز بھی محبت لیے ہوئے تھا۔ یہ اس کے چین سے لائے خاص برتن تھے۔ اور ان کے ساتھ ملکہ کے جذبات جڑے

تھے۔

وہ مسکرا کے نقش و نگار کو دیکھ رہی تھی جب کنیز نے کھنکھار کے اطلاع دی۔

''وان فاتح آیا ہے۔ آپ سے ملنا چاہتا ہے۔''

یان سوفو چونک کے سیدھی ہوئی۔ پیالی سامنے رکھ دی۔ چہرے کا رنگ بدلا مگر گردن کڑا دی۔ ''ہاں اسے بھیجو۔ اور اس کے ہوتے ہوئے ہمہ وقت سپاہی یہاں تعینات رہیں گے۔''

''درست' ملکہ۔ مگر وہ نہتا ہے۔ اس کے پاس اسلحہ تک نہیں ہوتا۔''

''جو کہا ہے وہ کرو۔''

وہ جب برآمدے کے زینے چڑھ کے سامنے آیا تو یان سوفو نے دیکھا' وہ مزید مختلف نظر آنے لگا تھا۔ اس نے کرتے پاجامے پہ نفیس سی سیاہ قبا پہن رکھی تھی اور ایک آزاد رئیس نظر آتا تھا۔ یہ وہ غلام نہیں تھا جسے وہ چند ماہ پہلے ملی تھی۔

دور دور تک سپاہی تعینات کھڑے اسے گھور رہے تھے۔ فاتح نے ایک نظر ملکہ کو دیکھا' سر جھکا کے تعظیم پیش کی اور مسکرایا۔

''ان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اور میں تم سے تنہائی میں بات کیوں کروں گی؟ اس روز کی دھمکی یاد ہے مجھے' ولی عہد برونائی۔'' وہ طنز سے بولی۔

فاتح نے ایک تہہ شدہ کاغذ نکال کے کنیز کی طرف بڑھایا۔ کنیز نے جھٹ اسے ملکہ کے سامنے کیا۔

یان سوفو نے اسے گھورتے ہوئے کاغذ کی تہیں کھولیں۔ پھر اسے پڑھا۔

پھر چونک کے سامنے کھڑے مرد کو دیکھا۔

''ہمیں اکیلا چھوڑ دو۔'' سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ وان فاتح کا مدعا سننے کے لئے تیار تھی۔

☆☆=========☆☆

وانگ لی کی سرخ حویلی دوپہر کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ وانگ لی کی سواری ابھی ابھی وہاں آن کے رکی تھی اور وہ گھوڑے سے اتر رہا تھا۔ چونکہ کافی فربہ تھا' اس لئے اترنے کے بعد پہلے اپنا سانس بحال کیا' پھر چغہ درست کیا' پھر دروازے کی طرف بڑھا۔ دفعتاً ٹھٹک کے رکا۔

سامنے ملکہ کا قاصد منتظر کھڑا تھا۔

''سن باؤ۔ میں محل میں آپ کو ڈھونڈ نہیں پایا۔ ملکہ نے آپ کو طلب کیا ہے۔'' ساتھ ہی اس نے ایک مہر بند خط اس کی طرف بڑھایا۔ وانگ لی نے تیزی سے اسے تھاما۔ ملکہ کی خاص مہر توڑی اور خط نکالا۔

''وانگ لی.....غلام فاتح میرے پاس آیا تھا اور جو اس نے مجھے تمہارے خفیہ قلعہ کے بارے میں بتایا ہے' اس کے بعد سے میں تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ اپنا سامان سمیٹو اور ملاکہ سے کوچ کر جاؤ۔''

وانگ لی کی رنگت پھیکی پڑی۔ اس نے کاغذ جیب میں ڈالا اور جلدی سے گھوڑے کی طرف لپکا۔''ملکہ محل میں ہیں؟''

''نہیں۔ وہ اپنے دو چینی سپاہیوں کے ہمراہ کہیں روانہ ہوئی ہیں۔ معلوم نہیں کہاں۔''

''یعنی فاتح نے ان کو اس قلعے کا پتہ دے دیا ہے۔''اس نے تیزی سے گھوڑے کا رخ موڑا اور اسے ایڑ لگا دی۔ گھوڑا اب سرپٹ دوڑتا' دھول اڑاتا دور جا رہا تھا۔ اسے جلد از جلد اپنی ملکہ کے سامنے اپنی صفائی پیش کرنی تھی۔

ابھی شام نہیں اتری تھی جب وانگ لی اونچے نیچے سبز ٹیلوں کے درمیان بنے قلعے کی سڑک تک آ پہنچا۔ قلعے کے باہر ملکہ کے دو سپاہی کھڑے تھے۔ اسے آتے دیکھ کے انہوں نے راستہ دیا۔ وہ تیزی سے نیچے اترا اور دروازے کی طرف بھاگا۔

صحن کی چوکھٹ پہ وہ ٹھٹک کے رکا۔ ملکہ کہیں نہیں تھی۔

مگر سامنے وان فاتح کھڑا تھا۔

اور اس کے پیچھے بنداہارا کے مسلح سپاہی گھوڑوں پہ موجود تھے۔

وانگ لی چونک کے پلٹا مگر اب چند سپاہی جانے کہاں سے نکل کے اس کے عقب میں آ کھڑے ہوئے تھے۔

''ملکہ کہاں ہیں؟''اس نے بظاہر رعب دار آواز میں پوچھا۔

فاتح نے مسکرا کے اسے مخاطب کیا۔

''تمہیں ملکہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے' سن باؤ۔ وہ اس قلعے کے بارے میں ابھی کچھ نہیں جانتیں۔''

''وہ خط.....وہ سپاہی؟''وانگ لی کا سانس اٹک گیا۔

''میرے لئے ملکہ کے تین چینی سپاہی خریدنا یا شہزادی تاشہ کے لئے جعلی خط تیار کرنا قطعاً مشکل کام نہیں ہے۔ تم ہمیں نہیں جانتے' وانگ لی۔''

کھیل سمجھتے ہی وانگ لی کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ اسے سمجھ نہیں آیا وہ کیا کہے۔

''یہاں ہر طرف بنداہارا کے سپاہی ہیں۔ تمہارا گھوڑا بھی وہ تحویل میں لے چکے ہیں۔ یہاں سے بھاگنے کا بھی فائدہ نہیں۔ اس لئے بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔ کرسی میز پہ۔ میرے ملک کے لوگوں کی طرح۔''

نرمی سے کہہ کے فاتح نے اندر چلنے کا اشارہ کیا۔

وانگ لی نے آستین سے ماتھے پہ آیا پسینہ پونچھا۔ چند لمحے وہ متامل رہا۔ پھر قلعے کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ

گیا۔ فاتح اس کے پیچھے آیا۔

اندر ایک ویران کمرہ بنا تھا۔ وہاں ایک میز کے گرد دو کرسیاں رکھی تھیں۔ کمرے میں کوئی مشعل نہ تھی البتہ کھڑکی سے آتی دن کی روشنی کافی تھی۔

''تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو؟'' وانگ لی بیٹھتے ساتھ ہی بے چینی سے بولا۔

''کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ تم یہاں کس طرح کے لوگوں سے ملتے ہو۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھا اور مسکرا کے اسے دیکھا۔

''تم چینی باغیوں کے ایک گروہ کی سرپرستی کر رہے ہو جو شاہِ چین کا تخت چھیننا چاہتے ہیں۔ تم یان سوفو کے باپ سے غداری کر رہے ہو۔''

وانگ لی میز پہ مٹھیاں رکھے آگے ہوا اور اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تم حب وطنی کے بارے میں کیا جانتے ہو غلام فاتح؟''

''اوہ۔ تم خود کو محبِ وطن کہہ رہے ہو؟''

''میں غدار نہیں ہوں۔ جو کر رہا ہوں اپنے ملک کے لئے کر رہا ہوں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولا۔ اس نے نہ تردید کی نہ کوئی صفائی دی۔ ''تم ملکہ کو بتا کے مجھے چوک میں پھانسی دلوانا چاہتے ہو۔ تو ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔''

''تم نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میرے پاس اس الزام کا کیا ثبوت ہے؟''

''تمہیں ثبوت کی کیا ضرورت ہے؟ تم بندابارا کے مشیر ہو اور میں ٹھہرا ایک غیر ملکی۔ میرے قول پہ تمہارے الزام کو ہمیشہ فوقیت دی جائے گی۔'' وانگ لی نے شانے اچکا دیے۔ فاتح چند لمحے اسے دیکھتا رہا۔

''تمہارا ذکر تاریخ کی کتابوں میں پڑھا ہے میں نے۔ چھ سو سال بعد کے زمانے میں بھی تمہارا مجسمہ اور تمہارا گھر لوگوں نے محفوظ کر کے رکھا ہے۔''

وانگ لی اپنی جگہ بالکل ساکت ہو گیا۔ ''تم کہہ رہے ہو کہ میرا ذکر صدیوں بعد بھی محفوظ رہے گا؟''

''ہاں۔ اور میں نے اپنے باپ سے کہہ کے تمہاری سرخ حویلی خریدی تھی۔ جانتے ہو کیوں؟ کیونکہ اس میں ایک مجسمہ تھا۔ سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ۔ میں وانگ لی کا بچپن سے پرستار تھا۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں اس کا ذکر اچھے الفاظ میں پڑھا تھا۔'' وہ زخمی مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہا تھا اور وانگ لی سکتے میں چلا گیا تھا۔

''مجھے کیسے معلوم کہ تم سچ کہہ رہے ہو؟''

فاتح نے شانے اچکا دیے۔ ''کیا میں نے آج تک تم سے کوئی جھوٹ بولا ہے؟ کیا میں نے تمہاری جان نہیں بچائی

تھی؟ ہم ایک دوسرے کے مخالف ہو چکے ہیں، لیکن میں اب بھی جھوٹ نہیں بولتا۔ تمہیں تاریخ شاہ چین کے وفادار غلام کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

کافی دیر تک اس ویران قلعے میں سناٹا چھایا رہا۔

"تم مجھ سے کیا چاہتے ہو غلام فاتح؟"

"میرے پاس دو راستے ہیں۔ میں یا تو ملکہ کو تمہاری اصلیت بتا دوں کیونکہ جس بغاوت کو تم ابھار رہے ہو، یہ بہت جلد شاہ چین کا تختہ الٹ دے گی۔ یہ معلوم ہونے پہ ملکہ تمہیں مروا دے گی۔ اور دوسرا راستہ....." فاتح نے گہری سانس لی اور لمحے بھر کے لئے آنکھیں بند کیں۔

(وہ کم عمر لڑکا سرخ اینٹوں والے فرش پہ اکڑوں بیٹھا تھا اور گردن اٹھائے اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔

اس کا باپ اس کے قریب جھکا کہہ رہا تھا۔

"یہ وانگ لی ہے۔ ایک جری مرد۔ حالانکہ وہ ایک تائی ژان (مخنث غلام) تھا مگر بہت سے مردوں سے بہتر تھا۔ وہ شاہ چین کا سب سے وفادار غلام تھا۔ جب چین میں بغاوت اٹھی، تو وانگ لی وہاں نہیں تھا۔ ہوتا تو اپنے بادشاہ کو بچا لیتا۔"

"وہ کہاں تھا، بابا؟"

"اس کو ملاکہ کے بنداہارا نے کسی قلعے میں دیکھا اور اس کا کوئی راز پا لیا۔ وانگ لی عزت دار آدمی تھا۔ اس نے توہین کروانے کی بجائے اپنے عہدے سے استعفیٰ دیا اور چپ چاپ ایک سمندری سفر پہ روانہ ہو گیا جس سے وہ واپس نہیں آیا۔ کہتے ہیں کہ اس کی موت اسی ساتویں بحری سفر کے دوران واقع ہو گئی تھی۔")

"دوسرا راستہ یہ ہے کہ....." فاتح نے پلکیں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "میں تمہیں رسوا نہ کروں اور تمہیں محفوظ راستہ فراہم کروں۔ تم استعفیٰ لکھ دو اور اپنے ملک واپس چلے جاؤ۔ میں کسی کو نہیں بتاؤں گا کہ تم اپنے بادشاہ سے غداری کر رہے تھے۔ تمہارا نام تاریخ میں اچھے الفاظ سے لکھا جائے گا۔"

"میرے ساتھ بھلائی کر کے تمہیں کیا ملے گا؟" سن باؤ نے چبھتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"تمہارے جانے سے میرے چند کام آسان ہو جائیں گے۔"

"تم اور مرا اور لیچہ مرسل شاہ کے خلاف بغاوت تیار کر رہے ہو۔ میں جانتا ہوں۔ اگر میں یہاں رہوں گا تو اس بغاوت کو روک دوں گا۔ لیکن تم مجھے پھانسی چڑھوا کے بھی راستے سے ہٹا سکتے ہو۔ پھر محفوظ راستے کا مقصد؟"

فاتح نے آزردہ مسکراہٹ کے ساتھ کندھے اچکائے۔ "ایک پرانے دوست کے لئے میں اتنا کر سکتا ہوں۔"

"میں اور تم کبھی دوست نہیں رہے۔"

"ایک دوسری دنیا میں تم میرے لئے ایک پرانے دوست کی طرح ہی تھے۔"

چند لمحے دونوں کے درمیان بوجھل خاموشی چھائی رہی۔

"کیا واقعی شاہِ چین کے خلاف بغاوت کامیاب ہو جائے گی؟" وہ غور سے فاتح کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"ہاں۔"

"اور اگر میں نے محفوظ راستہ نہ لیا تو تم مجھے گرفتار کر کے پھانسی چڑھوا دو گے؟"

"بالکل۔"

وانگ لی نے گہری سانس لی۔ "میرے پاس محفوظ راستے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے' غلام فاتح۔ میں عزت سے اپنے ملک واپس جانا چاہتا ہوں۔"

فاتح نے کرسی دھکیلی اور اٹھا۔ "میرے سپاہی تمہارا سامان سمیٹنے سے بندرگاہ تک تمہارے ساتھ رہیں گے تاکہ اگر تم کوئی چالاکی دکھانے کی کوشش کرو تو وہ تمہیں روک سکیں۔ تم ملکہ سے ملے بغیر یہاں سے چپ چاپ روانہ ہو جاؤ گے۔"

وہ سپاٹ انداز میں کہہ کے دروازے کی طرف بڑھا جب سن باؤ نے پکارا۔

"اگر تم واقعی مستقبل کے زمانے سے آئے ہو تو مجھے بتاؤ..... چین واپس جا کے میرے ساتھ کیا ہو گا؟"

فاتح کے قدم وہیں زنجیر ہو گئے۔ پھر اس نے گہری سانس اندر کھینچی۔

"تم کبھی ملاکہ واپس نہیں آؤ گے۔ میں بس اتنا بتا سکتا ہوں۔"

وانگ لی نے شانے اچکائے۔ "مجھے نہیں معلوم تم سچ بول رہے ہو یا جھوٹ۔ لیکن میں واپس چین جانا چاہتا ہوں۔"

وانگ لی کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ مرنے سے یہی بہتر تھا۔

مگر اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کبھی بھی چین نہیں پہنچ پائے گا۔

☆☆=========☆☆

اتوار۔ بائیس جنوری۔ جونکر اسٹریٹ۔ ملاکہ۔

وہ انسانوں کے ہجوم کی درمیان میں سر جھکائے چل رہی تھی۔ پیر اٹھاتی کہیں تھی۔ وہ پڑتا کہیں تھا۔ کبھی ذہن یہ سوچنے لگتا کہ وہ اب کیا کرے۔ کبھی وہ گزرے واقعات کو یاد کرنے لگ جاتی۔

اسے وہ دن یاد آیا جب فاتح نے اسے تنبیہہ کی تھی۔ وہ درست کہہ رہا تھا۔ اس کی ایک لمحے کی خطا اتنا بڑا نقصان کر سکتی

تھی۔ کیسے... اس سے کیسے ہوئی یہ غلطی؟ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا۔ ہر چیز پلان کے مطابق جا رہی تھی... پھر... وہ کیسے ایک لمحے کے لیے ہر شے سے غافل ہوگئی؟

چلتے چلتے وہ ایک دفعہ پھر اسی کافی شاپ کے دروازے تک آرکی۔ باریستا نے اس کی طرف دیکھا تو مسکرا کے استقبالیہ انداز میں اندر آنے کو کہا۔ وہ گم صم سی اسے دیکھنے لگی۔ پھر اندر داخل ہوگئی۔

''کیا اب آپ کچھ لیں گی؟'' وہ اس کے قریب آ کے بولا۔ کچھ دیر پہلے وہی تھا جس کے سامنے وہ روئی تھی۔ اور پھر شاپ سے باہر نکل گئی تھی۔ باریستا کو ابھی تک سمجھ نہیں آیا تھا کہ وہ تنہا' اداس سی لڑکی اتنی عام سی بات پہ کیوں رونے لگ گئی تھی۔ البتہ اب وہ بہتر لگ رہی تھی۔ آنکھیں خشک تھیں۔ اور انداز گم صم سا تھا۔

''میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ میں.... میں دور سے سفر کر کے آئی ہوں۔ اکیلی ہوں۔'' وہ اٹک اٹک کے کہہ رہی تھی۔

''فکر نہ کریں۔ ایک کپ ہمارے اوپر ہے۔ آیئے۔''

وہ اسے ایک میز تک لے آیا۔ اس سے من پسند کافی پوچھی اور خود واپس کاؤنٹر کی طرف چلا گیا جہاں دو تین گاہک آن کھڑے ہوئے تھے۔

وہ شیشے والے دروازے کے ساتھ بیٹھی' گم صم سی باہر دیکھ رہی تھی۔

☆☆=========☆☆

باغ کے سرسبز درختوں کے درمیان وہ ایزل اور کینوس سیٹ کیے پینٹ کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ رنگ کے دھبے انگلیوں اور بازوؤں پہ بھی لگے تھے۔ وہ گردن جھکائے مسکراتے ہوئے رنگ بھر رہی تھی جب آہٹ پہ چونکی۔ سر اٹھایا تو دیکھا' وہ سامنے سے چلا آرہا تھا۔

آج اس نے بھورا کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ سیاہ قبا ندارد تھی۔ اسے دیکھ کے تکان سے مسکرایا۔

''آپ تھکے تھکے لگتے ہیں ولی عہد بردنائی۔''

''سن باؤ کو روانہ کر کے آیا ہوں۔ ساتھ میں شاہی مورخ کو وہ سب بھی لکھوایا ہے جو ہم نے کتاب میں پڑھا تھا۔ سن باؤ عزت سے ہماری کہانی سے الگ ہو چکا ہے۔ اور ثابت ہوا کہ اس قصے کو ایڈم نے نہیں' میں نے کتاب کا حصہ بنایا تھا۔''

تالیہ برش رکھنے لگی تو وہ بے دھیانی سے ہاتھ سے پھسل گیا۔

''ان اوزاروں کے ساتھ احتیاط کیا کریں' شہزادی۔ آپ کی ذرا سی غلطی کسی کی جان لے سکتی ہے۔'' اس کے انداز میں جانے کیا تھا' تالیہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

''اوہ پلیز فاتح۔ مجھے اب اس کتاب کے ایک لفظ پہ بھروسہ نہیں ہے۔'' وہ برا مان گئی۔ ''میں آپ کی جان نہیں لوں گی۔ بےفکر رہیں۔''

''معلوم نہیں کیا حقیقت ہے' کیا فسانہ ہے۔'' فاتح نے شانے اچکائے۔ وہ اس بارے میں نہیں سوچنا چاہتا تھا۔

''آپ نے اپنے استعفے کے بارے میں کیا فیصلہ کیا؟'' کچھ دیر بعد وہ دونوں ساتھ ساتھ باغ کے درمیان روش پہ چل رہے تھے جب تالیہ نے پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''اور ہمارا رشتہ؟ اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں معلوم؟''

اس نے کہہ ڈالا۔ بنا کسی تاثر کے۔ سپاٹ سے انداز میں۔ مگر فاتح کے قدم رک گئے۔ وہ اس کی طرف مڑا اور چونک کے اسے دیکھا۔

''میں سوچتا تھا یہ آسان ہوگا۔''

''تعلق توڑنا؟'' اس کا دل زور سے دھڑکا۔

''اونہوں۔ استعفیٰ دے کر تمہارے ساتھ زندگی گزارنا آسان ہوگا۔ میرے اوپر سے ذمہ داریوں اور خوابوں کا بوجھ ختم ہو جائے گا۔ میڈیا مجھ سے جواب طلبی نہیں کرے گا۔ میں جس کے ساتھ چاہوں رہ سکوں گا۔ ایک پرسکون پرائیوٹ لائف۔''

وہ چند لمحے کے لئے کچھ بول نہیں سکی۔ وہ واقعی ان دونوں کے بارے میں سوچتا تھا؟

''لیکن؟'' تالیہ نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔

''لیکن اگر میں اپنے عہدے پہ قائم رہا تو میں کیسے دنیا کو سمجھاؤں گا کہ میری ایک دوسری بیوی بھی ہے جو.....''

''جو میری پہلی بیوی کی قاتل ہے۔'' وہ برہمی سے بولی۔ فاتح نے گہری سانس لی۔

''نہیں۔ جو مجھ سے عمر میں بیس سال چھوٹی ہے اور جو مجھ سے بہت مختلف ہے۔''

''آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں؟'' اسے یقین نہیں آیا تھا۔

''ہاں۔ اپنے لئے نہیں۔ نہ ہی اس بات سے کہ عصرہ کی موت تازہ ہے' یا میرے دو بچے ہیں۔ میں تمہارے لئے ڈرتا ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ ''تم اس دن درست کہہ رہی تھیں۔ اگر تم مجھ سے تعلق کے حوالے سے تم لائم لائٹ میں آئیں تو میڈیا تمہیں Home wrecker ثابت کرے گا۔ عصرہ کے قتل کا الزام سب کو سچ لگے گا۔ وہ تمہاری کردار کشی کریں گے۔ وہ تم پہ اتنا کیچڑ اچھالیں گے کہ میں برداشت نہیں کر سکوں گا۔'' وہ دکھ سے کہہ رہا تھا۔

تالیہ چند لمحے اس کی آنکھوں کو دیکھتی رہی۔

''آپ کیا چاہتے ہیں؟''

''تم نے کہا تھا کہ تم میرے ساتھ نہیں رہنا چاہو گی کیونکہ اس طرح سب تمہیں قصوروار کہیں گے۔''

''مجھے معلوم ہے میں نے کیا کہا تھا۔'' وہ تیزی سے بولی۔'' کچھ اختلافات انسان رد کیے جانے کے لیے پیش کرتا ہے۔ لیکن میں آپ سے پوچھ رہی ہوں کہ ''آپ'' کیا چاہتے ہیں؟ کیا آپ مجھے چھوڑنا چاہتے ہیں؟''

تالیہ کو محسوس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ رہی ہیں۔اسی لیے وہ انہیں جھپک نہیں رہی تھی۔

''کوئی تالیہ مراد کو کیسے چھوڑ سکتا ہے؟''

وہ مسکرا کے بولا اور ایک لمحے کے لیے اس کی ساری مسافتیں انجام کو پہنچیں۔

ساری ریاضتوں کا پھل مل گیا۔

اس کی آنکھ کے کنارے سے پانی کا قطرہ نکلا اور نیچے لڑھک گیا۔

''مگر.....''

(ایک تو یہ مگر!)

''مگر اس روز جو کچھ تم نے کہا.....ان باتوں نے میرے لیے یہ فیصلہ مشکل بنا دیا ہے۔''

''اور میں نے ہی کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ واپس جانا چاہتی ہوں۔کیا آپ میرے ساتھ رہنا چاہیں گے؟''

وہ درختوں کے درمیان آمنے سامنے کھڑے تھے۔

''اگر مجھے تمہارے ساتھ نہ رہنا ہوتا تو میں اپنی ''دنیا'' چھوڑ کے تمہارے لیے یہاں نہ آتا۔''

اور تالیہ کو اپنے سارے جواب مل گئے تھے۔وہ ایک دم ہلکی پھلکی ہو کے مسکرا دی۔

''لیکن آپ اپنا استعفیٰ واپس لیں گے۔'' یہ سب کہنا آسان ہو گیا تھا۔

وہ چپ ہو گیا۔''اگر میں دوبارہ اپنے کیریئر کی طرف گیا تو تمہارے لیے زندگی مشکل ہو جائے گی۔''

''ہو جائے۔'' وہ ابھی تک مسکرا کے اس کو دیکھ رہی تھی۔

''اور تم میرے سب مسئلوں میں آخر تک میرے ساتھ رہو گی؟''

''میں نے آپ سے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ اگر سارے ملائیشیا میں کوئی آپ پہ یقین کرنے کو تیار نہ ہو تب بھی میں وہ واحد انسان ہوں گی جو آپ کے ساتھ کھڑی ہوں گی۔کیا آپ کو اب بھی تالیہ کی ہمت پہ شک ہے؟''